خطباتِ بہاولپور: خطبہ نمبر ۸

عہدِ نبویؐ میں نظامِ دفاع اور غزوات

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

عہدِ نبویؐ میں نظامِ دفاع اور غزوات

خطباتِ بہاولپور۔ خطبہ نمبر:۸

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

زیرِ نظر مضمون "عہدِ نبویؐ میں نظامِ دفاع اور غزوات" دراصل اس سلسلے کا آٹھواں لیکچر ہے جو ۱۹۸۰ میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ (مرحوم) نے اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں مسلسل بارہ روز متعدد اسلامی موضوعات پر دیے تھے جو خطباتِ بہاولپور کے نام سے شائع ہوں چکے ہیں۔

فہرست

کچھ مصنف کے بارے میں

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب 1908ء کو علوم اسلامیہ کے گہوارے حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئے۔ آپ نے جامعہ عثمانیہ سے ایم۔اے، ایل ایل۔بی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ اعلیٰ تعلیم و تحقیق کے لیے یورپ پہنچے۔ بون یونیورسٹی (جرمنی) سے اسلام کے بین الاقوامی قانون پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈی فل کی ڈگری حاصل کی اور سوربون یونیورسٹی (پیرس) سے عہد نبوی اور خلافت راشدہ میں اسلامی سفارت کاری پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹر آف لیٹرز کی سند پائی۔ ڈاکٹر صاحب کچھ عرصے تک جامعہ عثمانیہ حیدر آباد میں پروفیسر رہے۔ یورپ جانے کے بعد جرمنی اور فرانس کی یونیورسٹیوں میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں۔ فرانس کے نیشنل سنٹر آف سائنٹفک ریسرچ سے تقریباً بیس سال تک وابستہ رہے۔ علاوہ ازیں یورپ اور ایشیا کی کئی یونیورسٹیوں میں آپ کے توسیعی خطبات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

ڈاکٹر صاحب السنہ شرقیہ اردو فارسی عربی اور ترکی کے علاوہ انگریزی فرانسیسی جرمن اطالوی وغیرہ زبانوں پر بھی عبور رکھتے تھے۔ چنانچہ مختلف اقوام و ادیان کے تاریخی اور تقابلی مطالعے کی بدولت آپ کے مقالات اور تصانیف کا علمی و تحقیقی مرتبہ نہایت بلند ہے۔ فرانسیسی زبان میں آپ کے ترجمہ قرآن مجید اور اسی زبان میں دو جلدوں پر مشتمل سیرت پاک کو قبول عام حاصل ہوا۔ عالمی شہرت یافتہ کتاب Muhammad Rasul Allah کے مصنف ہیں۔اس کے علاوہ

The Battlefields of Prophet Muhammad

The Muslim Conduct Stare

The First Written Constitution

الوثائق السیاسیہ العهد النبوی و الخلافۃ الراشدہ

خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

علاوہ ازیں علم حدیث کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کا اہم ترین کارنامہ "صحیفہ ہمام بن منبہ" کی تحقیق و اشاعت ہے۔ یہ قدیم ترین مجموعہ احادیث ہے جو عہدِ صحابہ میں مرتب ہوا تھا۔ آپ نے اس نادر و نایاب ذخیرہ حدیث کا ایک مخطوطہ برلن میں دریافت کیا اور اسے جدید اسلوب تدوین کے مطابق مرتب کر کے شائع کرایا۔ خدمت قرآن کے سلسلے میں آپ نے پچپن برس قبل تراجم قرآن حکیم کی ببلیو گرافی "القرآن فی کل لسان" مرتب کی جس میں دنیا بھر کی ایک سو بیس زبانوں میں قرآن کے تراجم کا تذکرہ اور بطور نمونہ سورہ فاتحہ کے تراجم درج ہیں۔

تو یہ ہے اس شخص کا مختصر تعارف جس نے مغرب کی نئ نسل کو اسلام سے قریب تر کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ جو تقریباً نصف صدی سے زائد علم کے موتی لٹاتا رہا، جو زندگی کی آخری سانس تک فاطمہ کے بابا کے عشق میں سلگتا رہا۔۔۔جلتا رہا۔۔۔جلاتا رہا

خدا اس پر رحمتیں نچھاور کرے۔

محترم صدر! محترم وائس چانسلر صاحب! محترم اساتذہ اور محترم بھائی بہنو!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

الحمداللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سیدالمرسلین وآلہ واصحابہ اجمعین

عہدِ نبویؐ کے مختلف شعبوں کے متعلق میں مختلف چیزیں اب تک عرض کر چکا ہوں کچھ اور بھی عرض کرنی ہیں۔ ان میں سب سے مشکل غالباً دفاع کا پہلو ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فن کے الف ب سے بھی میں واقف نہیں۔ کبھی فوجی زندگی گزارنے یا فوجی تعلیم حاصل کرنے کا مجھے موقع نہیں ملا۔ بہر حال مطالعے میں مجھے جو جو چیزیں دفاع اور فوج سے متعلق نظر آئیں وہی آپ کی خدمت میں پیش کر سکوں گا۔

کسی ملک کے دفاع کے لیے نہ صرف فوجی تیاری درکار ہوتی ہے بلکہ غیر فوجی انتظامات بھی ضروری ہوتے ہیں۔ اولاً میں غیر فوجی امور کے متعلق ایک چھوٹی سی بات عرض کروں گا، جس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ مسلمانوں کی سب سے پہلی، بہت ہی ننھی منی سلطنت جو مدینہ منورہ میں قائم ہوئی تھی، اس کو ابتداء میں مختلف قسم کی مشکلات سے بچانے کے لیے ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح اپنی تدبیروں کا آغاز کیا تھا۔ میں نے بیان کیا تھا کہ مکہ معظمہ سے مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آنے پر مجبور ہوئے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں سے تشریف لائے، تو شاید عام حالات میں کسی سلطنت کے قیام کی ضرورت پیش نہ آتی۔ لیکن مشرکین نے وہاں بھی چین نہ لینے دیا۔ وطن سے نکالا، وطن میں انکی جائیدادوں کو ضبط کیا اور انھیں سالہاسال تک ہر طرح کی اذیتیں دیتے رہے۔ جب مسلمان وہاں سے چلے گئے، تب بھی انہیں چین نہیں آیا اور مدینہ والوں کو لکھ بھیجا کہ ہمارے دشمن (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو یا تو جان سے مار ڈالو یا انھیں اپنے ملک سے نکال دو، ورنہ ہم کوئی مناسب تدبیر اختیار کریں گے۔ یہ فوجی حملے کی دھمکی ایسی تھی کہ کوئی شخص آسانی سے اس کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا، خاص کر وہ نبی جو

دنیا کے سارے لوگوں کے لیے اسوہ حسنہ تھا۔ بادشاہوں کے لیے بھی، فقیروں کے لیے بھی، عالموں کے لیے بھی اور جاہلوں کے لیے بھی۔ آپ نے آنے والے مسلمان حکمرانوں اور سپہ سالاروں کے لیے ایک سبق آموز نمونہ چھوڑا ہے۔

اولین مسئلہ یہ تھا کہ مہاجرین کو کس طرح روزگار پر لگایا جائے اور کس طرح ان کی فوری ضرورتوں کو پورا کیا جائے؟ اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مواخات کا طریقہ اختیار فرمایا، جس نے طرفۃ العین میں ان کی ساری مشکلات کو ختم کر دیا۔ اس کے بعد دوسری تدبیر یہ فرمائی کہ چونکہ شہر مدینہ میں کوئی سلطنت نہیں پائی جاتی تھی، وہاں صرف قبیلے ہی قبیلے تھے اور یہ قبیلے نسل بانسل خانہ جنگیوں میں مشغول تھے۔ ان میں باہمی نفرت، حسد، جلن، اور دشمنی پائی جاتی تھی اور اگر ان قبیلوں میں سے کسی ایک پر ان کا دشمن حملہ کرتا تو دوسرے لوگ غیر جانب دار رہتے تھے۔ نتیجتاً اسے تنہا مقابلہ کرنا پڑتا۔ ان حالات میں انتہائی فراست سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر مدینہ کے لوگوں کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ اپنے مذہبی اختلافات اور قبائلی انفرادیت کے باوجود یہ مناسب ہو گا کہ تم سب مل کر ایک چھوٹی سی مملکت قائم کرلو۔ آپس میں ایک مرکزیت پیدا کرو اور اپنے دشمن کے مقابلے کے لیے اپنی موجودہ قوت کو اس طرح مجتمع کرلو کہ اس کا کوئی جزء ضائع نہ ہونے پائے۔ اس تجویز کو قبول کرلیا گیا اور جیسا کہ کل بھی میں نے اشارتاً عرض کیا تھا، ایک مملکت قائم ہوئی جو شہر مدینہ کے بڑے حصے پر مشتمل تھی اور اس میں مسلمانوں کے علاوہ یہودی بھی شریک تھے اور جو مشرک قبیلے اسلام نہیں لائے تھے، وہ بھی اس میں داخل ہوئے۔ ان سبھوں نے بالاتفاق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا سردار تسلیم کیا۔ جو اختیارات مرکز کے لیے موزوں تھے وہ مرکز کے سپرد کئے گئے اور دیگر معاملات میں ہر قبیلے کی داخلی خود مختاری قائم رہی۔ جو چیزیں مرکز کے سپرد کی گئیں، ان میں سب سے اہم فوجی دفاع کا مسئلہ تھا۔ چنانچہ صراحت کے ساتھ اسے مملکت کے دستور میں تحریری طور پر لکھا گیا، اور یہ دستور ہم تک بھی پہنچا ہے، کہ جب کبھی دشمن سے مقابلہ ہو گا تو اس کا انتظام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے۔ اگر فوج باہر جا کر لڑنے پر مجبور ہو گئی تو اس کا اختیار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو گا کہ کس کو فوج میں رہنے کی اجازت دیں اور کس کو فوج میں داخل ہونے سے روک دیں تاکہ دشمن کے جاسوس یا منافق اور غدار لوگ شریک ہو کر اندرونی طور پر نقصان نہ پہنچا سکیں۔ یہ ابتدائی انتظامات تھے۔

میں نے ابھی عرض کیا کہ ہے کہ دفاع کے انتظامات میں بعض غیر فوجی کام بھی کرنے پڑتے تھے۔ اس کی طرف میں توجہ دلاتا ہوں۔ جیسے ہی یہ ابتدائی انتظامات مکمل ہو گئے۔ یعنی بے گھر مہاجرین کا مسئلہ ختم ہو گیا اور مملکت یعنی شہر مدینہ کے سارے قبائل کی ایک تنظیم عمل میں آگئی تو فوراً ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دورے کرنے کا آغاز فرمایا۔ پہلے شمال کی طرف گئے۔ مدینے سے شمال کی طرف تین چار دن کی مسافت پر قبیلہ جھینہ بستا تھا۔ اس کے معاہدہ کی جو تفصیلات موجود ہیں، ان سے معلوم

ہوتا ہے کہ یہ قبیلہ مسلمان نہیں تھا، اس کے باوجود وہ مسلمانوں کے ساتھ فوجی حلیفی پر تیار تھا۔ غالباً رسول اکرم صلی الہ علیہ و سلم نے ان کے سامنے یہ تجویز پیش کی ہوگی کہ تم تنہا ہو، تمھارے دشمن موجود ہیں۔ اگر وہ تم حملہ کریں گے تو کوئی تمھیں مدد نہیں دے گا۔ کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ تم اور ہم آپس میں دوستی کرلیں۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگر تم پر کوئی حملہ کرے گا۔ ہم تمھاری مدد کو دوڑے آئیں گے اور اگر ہم پر کوئی حملہ کرے اور ہم تمھیں بلائیں تو تم بھی مدد کو آنا۔ بات معقول تھی۔ اس قبیلے نے قبول کرلیا۔ چنانچہ معاہدے میں صراحت ہے کہ یہ صرف فوجی معاہدہ ہے اس کا دینی معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس ابتدائی کامیابی کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینے کے جنوب کی طرف جاتے ہیں۔ وہاں کے قبائل سے بھی ایسی ہی مفاہمت کرتے ہیں۔ جنوب کے قبائل بھی مسلمان نہ ہونے کے باوجود جنگی حلیفی پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔ پھر مشرق کی طرف جاتے ہیں۔ وہاں کے قبائل سے بھی دوستی کی کوشش کرتے ہیں۔ اس قسم کے پانچ سات معاہدے تاریخ میں اب تک محفوظ ہیں۔ ان پر غور کیجیے تو آپ کو نظر آئے گا کہ مدینے کی بستی یا شہری ریاست کو محفوظ کرنے کی تدبیر اس انداز سے کی جارہی ہے کہ مدینے کے اطراف کے علاقوں کو دوست بنالیا جائے تاکہ اگر دشمن مدینے پر حملہ کرنا چاہے تو براہ راست مدینے تک نہ پہنچ سکے۔ بلکہ مدینے تک پہنچنے سے پہلے ہی درمیان کے علاقوں میں اس کو رکاوٹوں سے سابقہ پڑے، ہمارے دوست وہاں ہوں گے۔ وہ بروقت ہمیں اطلاع دیں گے۔ ہم ان کی مدد کو جائیں گے اور اپنے دوست قبائل کی مدد سے اس دشمن کو روکنے کی کوشش کریں گے، گویا ایک "منڈل" حلقہ Cordon قائم ہوگیا۔ وہ چنانچہ مدینے کے لیے مدینے کے اطراف دوستوں کی بستیاں قائم کرتے ہیں اور ان دوستوں کی مدد سے جنگی نقطہ نظر سے مدینے کی حفاظت عمل میں آتی ہے۔ یہ ایک پہلو تھا۔

اس قسم کی چیزیں ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے ہر دور میں ملتی ہیں۔ مگر میں ان تفصیلات میں نہیں جاؤں گا۔ صرف اشارۃً مثال کے طور پر عرض کرنا ہے کہ فوجی حفاظت کے لیے غیر فوجی اور سیاسی طریقے بھی استعمال کرنے پڑتے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ایک نمونہ پیش کیا کہ کس طرح مسلمانوں کی اس ابھرنے والی، چھوٹی سی سلطنت کو، جس کے بہت سے دشمن تھے، ان دشمنوں سے محفوظ رکھنے اور بچانے کا انتظام کیا جائے۔ ابتدائی معاہدہ جو مدینے کے اطراف کے قبیلوں سے کیا گیا تھا، وہ مکے کے لوگوں کی دشمنی اور انتقام سے بچاؤ کی ایک صورت تھی۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ مکے والوں نے مسلمانوں کو ستایا، کئی ایک کو قتل کیا اور جب مسلمان وہاں سے ہجرت کرکے مدینے آئے تو انکی جائیدادیں بھی ضبط کرلیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو قانونِ فطرت کے تحت یہ حق حاصل تھا کہ ان مکہ والوں سے جانی اور مالی دونوں طرح سے انتقام لیں۔ ابھی

مسلمانوں کے پاس اتنی فوجی قوت نہیں تھی کہ دشمن کو جانی نقصان پہنچائیں لیکن مسلمانوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء سے ان پر معاشی دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔

مکہ کے قریش اپنی گزر اوقات کے لیے تجارت کے سوا اور کوئی وسیلہ نہیں رکھتے تھے۔ ان کے وہ کاروانِ تجارت جو مکہ کے جنوب میں یمن وغیرہ کی طرف جاتے تھے، ان کو مسلمانوں سے نقصان پہنچنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ لیکن جب ان کے کاروان شمال میں عراق، شام یا مصر کی طرف جاتے تو مدینے کے قریب سے گزرنا ناگزیر تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ تم ہمارے علاقے سے نہیں گزر سکتے۔ ہمارے علاقے سے مراد مدینہ کا شہر ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے جو حلیف قبیلے تھے ان کے علاقے سے بھی ان کا گزرنا ممنوع کر دیا گیا۔ یہ قریش کے لیے سخت ناگوار بات تھی کہ ان کی تجارت میں رکاوٹ پڑے۔ انھوں نے نہ مانا بلکہ اصرار کیا کہ ہم ضرور گزریں گے۔ ظاہر ہے کہ اس ابتدائی زمانے میں مسلمان مٹھی بھر تھے اور ایک ایسے ملک میں تھے جہاں سوائے خودرو گزرگاہوں کے کوئی سڑک نہیں پائی جاتی۔ ایک جگہ آپ روکیں تو بہت سے راستے اور موجود تھے، جہاں سے آدمی گزر سکتے تھے۔ ان حالات میں قریشی کاروانوں کو روکنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس لیے بارہا ان کو روکنے کی کوششیں ناکام ہوئیں۔ چنانچہ جنگ بدر سے قبل تقریباً سات مرتبہ مسلمان فوجیں یہ اطلاع ملنے پر کہ قریشی قافلہ گزر رہا ہے، اس کو روکنے کے لیے گئیں لیکن وہ ان کے ہاتھ نہ آیا بلکہ کسی نہ کسی طرح بچ نکلا۔ مگر کوششیں جاری رہیں معلومات حاصل کرنے کے وسائل کو ترقی دی جانے لگی۔ دوستوں کی تعداد بڑھائی جانے لگی۔ غرض جو تدبیریں ممکن تھیں وہ اختیار کی جارہی ہیں۔ اس کے بعد جب قریش نے دیکھ لیا کہ مسلمان ان کو آسانی سے گزرنے نہیں دیں گے تو انھوں نے زبردستی گزرنے کی ٹھان لی۔

جنگِ بدر سے عین قبل کا واقعہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا کہ قریش شمال کی طرف گئے ہیں تو آپ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ دشمن کاروان اسی راستے سے واپس آئے گا، کسی اور راستے سے وہ نکل نہیں سکتا۔ لہٰذا دو جاسوس مقرر کئے کہ تم بھی شام کو جاؤ۔ اس کاروان کے قریب رہو۔ جیسے ہی وہ واپسی کا انتظام کر کے، واپسی کا ارادہ کرے، تیزی سے آکر ہمیں اطلاع دو کہ دشمن اب آنے والا ہے۔ تجارتی کارواں اور جاسوس کی رفتار تقریباً یکساں ہی تھی کیونکہ اونٹوں کے سوا کوئی تیز رفتار سواری میسر نہیں تھی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جب یہ دونوں جاسوس تیزی سے مدینے واپس آئے تو دیکھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کارواں کی آمد کی اطلاع دیگر وسائل سے ہو چکی ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے سے روانہ بھی ہو چکے ہیں۔ اس سے یہ استنباط کرنا پڑتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف وسائل اختیار فرماتے تھے تاکہ دشمن کی خبریں مسلمانوں تک پہنچتی رہیں اور اور اس کی بھی کوشش کرتے کہ ہماری خبریں دشمن تک نہ پہنچنے پائیں۔ غرض رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینے

بحر قلزم
قافلہ ابی سفیان
اور قافلہ تم سے نیچے کی جانب تھا (والرکب اسفل منکم)
اشارات
نقشہ غزوہ بدر
مکہ کا راستہ
UrduPhoto.com
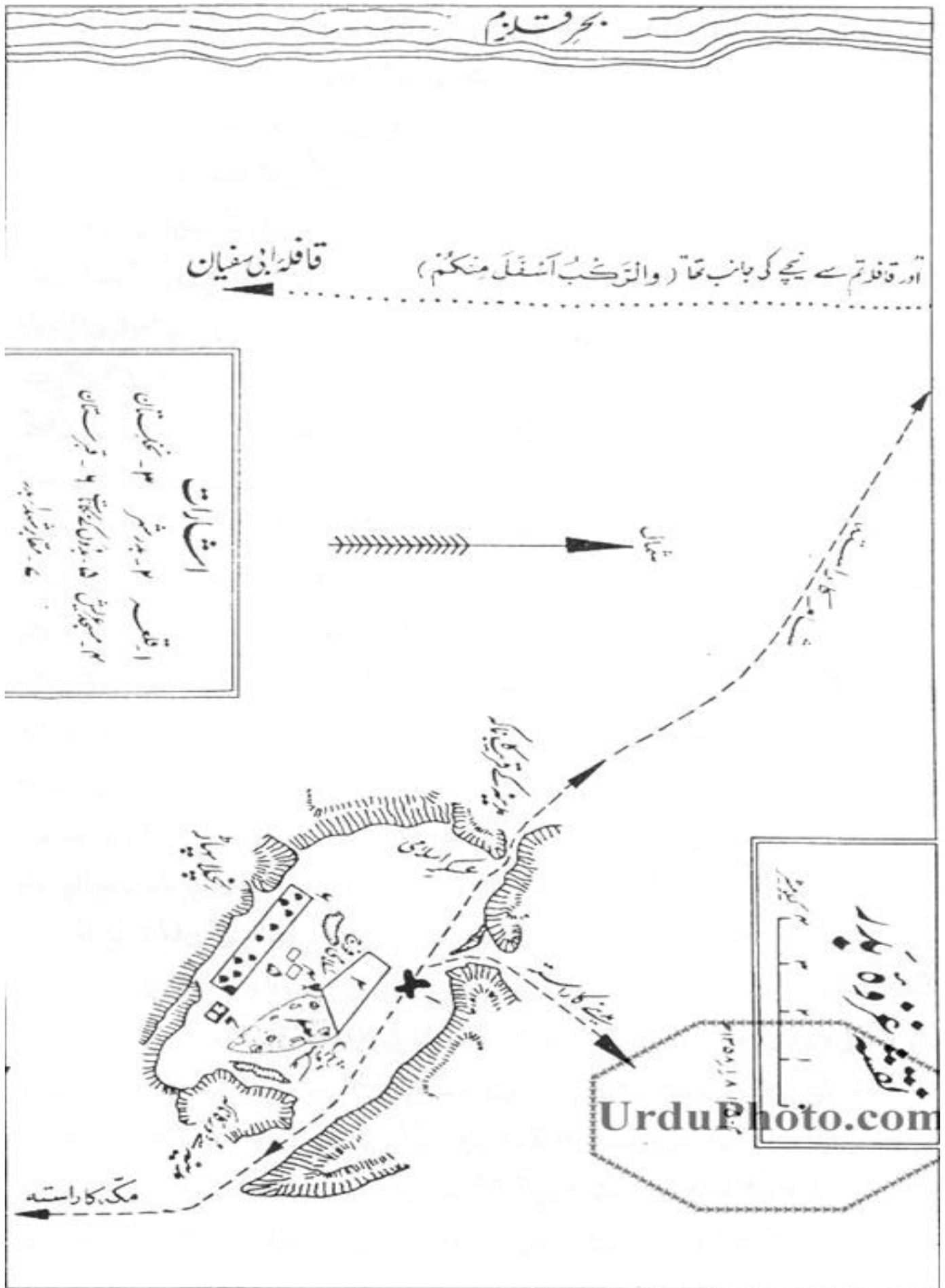
سے نکل چکے تھے اور فوجی فراست کی بدولت مدینے کے شمال کی طرف جانے کی بجائے مدینے کے جنوبی شہر مکہ کی طرف جاتے ہیں تاکہ دشمن سے پہلے کسی محفوظ مقام تک پہنچ جائیں جہاں دشمن کا روکنا ممکن ہو۔ اس کے لیے بدر کا مقام منتخب کیا گیا۔ مجھے وہاں جانے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ یہ مقام ایسا ہے جو بلند پہاڑیوں کے درمیان تنگ وادیوں میں سے گزرتا ہے۔ اس لیے نسبتاً آسانی کے ساتھ یہ ممکن تھا کہ مسلمان ایک ایسے مقام پر قیام کریں جہاں تنگ راستہ ہو۔ وہاں پہاڑیوں میں چھپے رہیں، دشمن بے خبری میں آئے اور وہ اس پر چھاپا مار سکیں۔ مختصر یہ کہ مختلف مقامات پر دریافت کرتے ہوئے جاتے ہیں کہ دشمن کی کوئی اطلاع ہے۔ لکھا ہے کہ بعض اوقات مسلمانوں کی فوج کے کچھ لوگ نکلتے ہیں اور سکاؤٹنگ کرتے اور بعض اوقات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے ساتھ ایک دو صحابہ کو لے کر نکلتے اور راستے میں کوئی بدوی ملتا تو اس سے پوچھتے کہ تمھیں اطلاع ہے کہ قریش کا کارواں اس وقت کہاں ہوگا؟ اس سے بھی آپ کو کچھ معلومات حاصل ہوتیں۔ اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے مقام پر پہنچے۔ وہاں معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک دشمن کا کارواں وہاں سے نہیں گزرا۔ مشورہ ہوتا ہے کہ کہاں ٹھہرنا چاہئے۔ ایک مقام کا انتخاب کیا جاتا ہے جو بدر کے شمال میں ہے اور بہت ہی تنگ درہ ہے۔ مسلمان وہاں قیام کرتے ہیں۔ دو ایک دن بعد دشمن کا کارواں وہاں پہنچ جاتا ہے۔ اس سے پہلے دشمن کو تجربہ ہو چکا تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا تعاقب کرتے ہیں۔ جاتے وقت بھی پیچھا کیا تھا حتیٰ کہ لڑنا چاہا تھا۔ لہٰذا وہ اب چوکس اور چوکنے تھے۔ قافلے کو بدر کے درہ میں سے گزرنے سے پہلے ہی ایک مقام پر ٹھہرا دیا گیا اور قافلے کا سردار ابوسفیان تن تنہا بدر کے شہر میں آتا ہے جہاں سے وہ اکثر گزرا کرتا تھا۔ وہ وہاں کے لوگوں سے واقف تھا۔ اس لیے وہاں جا کر سب سے پہلے اس مقام پر پہنچتا ہے جہاں لوگ مل سکتے ہیں۔ یہ مقام وہاں کا ایک طرح سے کلب تھا۔ وہاں لوگوں کے لیے ایک ہی کنواں تھا، کوئی نا کوئی آدمی ہر وقت وہاں مل سکتا تھا یا تھوڑی ہی دیر میں کوئی نہ کوئی شخص آجاتا تھا۔ ابوسفیان وہاں پہنچتا ہے اور بعض پانی بھرنے والے مردوں یا عورتوں سے معلوم کرتا ہے کہ قبیلے کا سردار اس وقت کہاں ہے۔ پھر اس سے جا کر ملتا ہے اور اس سے گفتگو کرتا ہے۔ وہ سردار ابوسفیان سے کہتا ہے کہ کوئی ایسی چیز میرے دیکھنے سننے میں نہیں آئی جس سے یہ گمان ہو کہ یہاں کوئی بڑی فوج تمھارے مقابلے کے لیے آئی ہوئی ہے۔ البتہ ابھی تھوڑی دیر پہلے دو بدوی یہاں سے اونٹوں پر گزرے۔ انھوں نے اتر کر کنویں سے پانی پیا اور پھر چلے گئے۔ اس کے سوا کوئی نئی چیز میرے علاقے میں نہیں گزری۔ ابوسفیان احتیاط سے آگے بڑھتا ہے۔ تھوڑے ہی فاصلے پر کچھ اونٹوں کی تازہ لید پڑی دیکھتا ہے۔ ایک لید کا گولا اٹھاتا ہے اس کو چیر کر دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کے اندر گھاس نہیں بلکہ کھجور کی گٹھلی ہے۔ وہ چلا اٹھتا ہے کہ یہ مقامی اونٹ سوار نہیں ہو سکتا بلکہ یہ تو مدینے کے اونٹ ہیں کیونکہ مدینے ہی میں کھجور کی گٹھلیاں مل سکتی ہیں۔ اس لید کے اندر چوں کہ کھجور کی گٹھلی پائی جاتی ہے لہٰذا یہ مدینے سے آئے ہوئے مسلمان ہی ہوں گے۔ پھر وہ پوری تیزی سے بھاگتا ہوا اپنے کارواں میں پہنچتا ہے اور اس کو

بدر سے باہر سمندر کے کنارے ہی کنارے ایک منزل کی جگہ دو منزل کرتا ہوا، تھکے ہوئے قافلے کو آرام کا موقع نہ دے کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ اور بلاخر مسلمانوں کی دسترس سے بچ جاتا ہے۔ بچنے سے پہلے وہ ایک شخص کو اجرت دے کر یہ کہتا ہے کہ پوری تیزی کے ساتھ مکہ جاؤ اور مکے والوں کو اطلاع دو کہ دشمن (یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) ہم پر حملہ کر رہے ہیں۔ تمھارا مالِ تجارت لٹ جائے گا۔ لہٰذا ہماری مدد کو آؤ۔ وہ شخص مکہ پہنچتا ہے۔ اس احتیاطی تدبیر کے بعد جب ابوسفیان کا کارواں دو منزل سفر کے بعد اطمینان محسوس کرتا ہے تو پھر ایک نیا پیام رساں اہل مکہ کو روانہ کرتا ہے کہ اب تمھارے آنے کی ضرورت نہیں۔ میں بچ چکا ہوں۔ مگر جو فوج مکہ سے روانہ ہو چکی تھی اس کا سردار ابوجہل تھا، اس نے کہا کہ ایسے دشمن کا خاتمہ کر دینا چاہئے ورنہ آج نہیں کل، کل نہیں تو پرسوں ہمیں نقصان پہنچائے گا۔ ہم کافی جمعیت کے ساتھ نکلے ہیں اور ہم میں یہ قوت ہے کہ اس خطرے کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چھپے ہوئے مقام پر ایک دن، دو دن، تین دن انتظار کرتے رہے مگر ابوسفیان کے کارواں کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ پھر معلوم ہوا کہ وہ گزر چکا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اب اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرتے ہیں کہ ہمیں کہاں ٹھہرنا چاہیے۔ کیا اسی مقام پر یا کسی اور مقام پر؟ صحابہ کے مشورے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہر کا اندرونی حصہ منتخب کرتے ہیں جہاں کنواں تھا۔ اس میں مصلحت یہ سوچی کہ مکہ والے بدر آئیں گے تو انھیں بھی پانی کی ضرورت ہو گی اور پانی کا صرف یہی ایک کنواں ہے۔ اگر وہ ہمارے قبضے میں رہے گا تو دشمن پیاسا مرے گا اور اسی طرح ہم دشمن پر جنگی نقطہ نظر سے فوقیت حاصل کریں گے۔ لہٰذا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مٹھی بھر ساتھیوں (312 آدمیوں) کے ساتھ اس شمالی درے سے نکل کر شہر کے بیچ میں آتے ہیں اور کنویں کے ایک طرف قیام کرتے ہیں۔ بعض صحابہ کے مشورے سے ایک بڑا گڑھا بھی کھودتے ہیں تاکہ اس کو پانی سے بھر دیں۔ اس میں مصلحت یہ تھی کہ جنگ کے دوران ہم سے اگر کسی کو پیاس لگے تو اس گہرے کنویں سے پانی نکالنے اور پینے میں وقت لگے گا، اور اس اثناء میں دشمن ہم پر حملہ کر کے مار بھی سکتا ہے۔ لہٰذا مناسبت ہو گا کہ ایک گڑھا ہو جس میں پانی بھر دیا جائے اور ہمارے سپاہی وہاں پہنچ کر فوراً ہی چلو سے پانی پی لیں۔ دشمن اگر یہاں آئے اور پانی پینا چاہے تو اس کی نگرانی کے لیے کچھ لوگ یہاں متعین رہیں۔ یہ تدبیریں آج ہمیں معمولی محسوس ہوتی ہیں لیکن اس زمانے میں فوجی نقطہ نظر سے نہایت کارآمد ثابت ہوئیں، اسی اثناء میں دشمن کی مکہ سے آنے والی فوج ابوجہل کی سرداری میں وہاں پہنچ گئی۔ دشمن کی فوج کی تعداد معلوم کرنے کے لیے ایک نگران دستہ (پٹرول) بھیجا گیا۔ اس نے دو آدمیوں کو گرفتار کیا جو کنویں کی طرف پانی بھرنے کے لیے آرہے تھے انھیں پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ سپاہیوں نے ان دونوں سے پوچھا، کہ تم کون ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم مکہ سے آنے والی فوج کے لوگ ہیں۔ انھوں نے انھیں مار پیٹ کر کہا کہ تم حقیقت میں ابوسفیان کے کاروان کے آدمی ہو۔ تب انھوں نے کہا، ہاں ہم ابوسفیان کے لوگ ہیں۔ پھر ذرا ٹھہر کر دوبارہ پوچھا کہ تم

کون ہو، تو کہتے ہیں کہ مکہ سے آنے والی فوج کے لوگ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ فرماتے ہیں۔ جب وہ سچ کہتے ہیں تو تم انہیں مارتے ہو۔ اور جب جھوٹ کہتے ہیں تو انہیں چھوڑ دیتے ہو۔ پھر اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں سے سوال کرنے کے لیے متوجہ ہوتے ہیں۔ وہاں بھی ہمیں اسی چیزیں نظر آتی ہیں جو فوجی نقطہ نظر سے دلچسپ ہیں۔ ان سے پوچھا، تم کون ہو؟ کہا "ہم مکہ سے آنی والی فوج کے لوگ ہیں۔" بہت اچھا تم کتنے آدمی ہو؟ جواب دیا، "ہمیں معلوم نہیں"۔ واقعی ان کو معلوم نہیں تھا۔ پھر کیسے معلوم کریں؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پوچھتے ہیں کہ یہ بتاؤ کہ روزانہ لوگوں کی غذا کے لیے کتنے اونٹ ذبح کرتے ہو؟ انھوں نے کہا "ایک دن نو، ایک دن دس۔" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً استنباط کیا کہ ان کی تعداد نو سو اور ایک ہزار کے مابین ہو گی۔ کیونکہ ایک اونٹ ایک سو افراد کی ایک دن کی غذا کے لیے کافی ہوتا ہے۔ حقیقتاً ان کی تعداد 950 تھی۔ پھر ان سے پوچھا گیا کہ فوج میں کون کون بڑے موجود ہیں؟ فلاں فلاں سردار۔ غالباً اس سے اندازہ لگایا ہو گا کہ جنگ کے وقت فوج کی کمانداری کون کون کرے گا؟ میمنہ میں کون ہو گا؟ میسرہ میں کون ہو گا؟ مختلف مقامات پر کون کون مکہ والے ہوں گے؟ ان کے ناموں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واقف تھے۔ کیونکہ وہ ہم وطن تھے۔ اس طرح کچھ معلومات ان قیدیوں سے حاصل کی گئیں۔ اس کے بعد صبح جنگ شروع ہونے والی تھی۔ رات کو جو طرزِ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رہا وہ یہ بتاتا ہے کہ پہلے تو کچھ دیر آرام فرمایا۔ پھر بہت سویرے اپنی چھوٹی سے فوج کی جس میں تین سو بارہ آدمی تھے، تقسیم کی اور کہا کہ یہ فوج کا مقدمہ ہے، یہ سامنے رہے گا۔ یہ دائیں ہاتھ پر میمنہ، یہ بائیں ہاتھ پر میسرہ اور یہ ساقہ۔ گویا فوج کو پانچوں حصوں میں تقسیم کیا۔ اس تقسیم کے بعد ہر ایک کے افسر مقرر کیے۔ اس کا سردار فلاں ہو گا، اس کا سردار فلاں ہو گا۔ یہ انصاری، یہ مہاجر وغیرہ۔ ان کے بعد کچھ تفصیلات اور ملتی ہیں جو فوجی نقطہ نظر سے آئندہ آنے والے سپہ سالاروں کے لیے نمونہ ہیں۔ نبی ہونے کے باوجود، خدا کی حفاظت کا یقین ہونے کے باوجود، انتظامی طور پر آپ یہ تدبیر اختیار کرتے ہیں۔ ایک چھوٹی سے پہاڑی پر ایک جھونپڑا تعمیر کیا جاتا ہے تاکہ جنگ کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس جھونپڑے کے اندر رہ کر مشاہدہ کرتے رہیں اور حسبِ ضرورت فوج کو آگے بڑھائیں یا پیچھے ہٹائیں تاکہ دشمن کے کمزور حصہ کو دیکھ کر اس پر حملہ کیا جائے، جہاں مسلمانوں کی کمزوری ہو دیکھ کر کمک بھیجی جائے۔ یہ بھی خیال رکھا گیا کہ وہ مقام کھلا ہوا نہ ہو تاکہ دشمن کے تیر آپ کو نہ لگیں۔ ایک جھونپڑا سا تعمیر کیا جاتا ہے تاکہ اس کے اندر دشمن کے تیروں سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے فوجی قیادت کے فرائض آپ خود انجام دے سکیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہاں دو تیز رفتار اونٹنیاں بھی مامور کی جاتی ہیں۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر خدانخواستہ جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہو تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان تیز رفتار اونٹنیوں پر سوار ہو کر فوراً مدینہ منورہ چلے جائیں تاکہ (نعوذ باللہ) آپ کی شہادت کی نوبت نہ آئے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس

قدر فراست سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کا انتظام فرماتے تھے۔ مسلمانوں کے تین سو بارہ اور دشمن کے نو سو پچاس آدمی تھے۔ مسلمانوں کی پوری فوج میں شاید دو گھوڑے تھے اور دشمن کے پاس ایک سو سے زائد گھوڑے تھے۔ مسلمانوں کے پاس دس بارہ بکتر ہوں گے، دشمن کے پاس دو سو بکتر تھے۔ گویا ہر لحاظ سے دشمن مسلمان فوج سے طاقتور اور قوی تھا۔ اس انتظام کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس جھونپڑی ہی میں جو آپ کے لیے تعمیر کی گئی تھی خدا کے سامنے سجدے میں گر پڑے اور دعا کی۔ وہ دعا بھی نہایت اثر انگیز تھی۔ دعا یہ تھی کہ اللہ! اگر تو چاہتا ہے کہ دنیا میں آئندہ کوئی تیری عبادت نہ کرے، تو اس چھوٹے سے دستے کو شکست دیدے۔ اس کے بر خلاف اگر تو چاہتا ہے کہ تیری عبادت ہوتی رہے تو اس چھوٹے سے دستے کو بڑے دستے پر غلبہ عطا کر۔ اس کے بعد آپ باہر نکلتے ہیں۔ فوج سے مخاطب ہوتے ہیں کہ تم اس وقت ساری دنیا میں خدا کی خدائی کے واحد ذمہ دار ہو اس سے یہ ولولہ انگیز جذبہ ان کے دلوں میں پیدا ہوا ہو گا کہ ہم ہی وہ واحد جماعت ہیں جو اس وقت خدا کی خاطر لڑ رہے ہیں۔ باقی سب خدا کے دشمن ہیں۔ اس جوش وولولہ کے باعث ایک ایک آدمی کو ہزار ہزار آدمی کی قوت حاصل ہو جاتی ہے۔ اب وہ جان پر کھیل جائے گا۔ آج کل کی فوجوں کی طرح نہیں جنھیں شراب پلا کر لڑائی کے لیے آمادہ کیا جاتا ہے۔ بلکہ اس جذبے کے ذریعے سے ان میں جوش بھر دیا جاتا ہے، کہ تم جس مقصد کے لیے جنگ کر رہے ہو، وہ دنیا کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ جنگ ہوتی ہے۔ نتیجے سے آپ سب اچھی طرح واقف ہیں۔ مٹھی بھر انسانوں نے کثیر دشمن کو شکست دی اور دشمن کے ستر آدمی قتل ہوئے ستر یا اس زیادہ آدمی کو گرفتار کیا گیا۔

میں اب ایک دوسرے پہلو کو لیتا ہوں۔ جنگ کے سلسلے میں دشمنوں سے چھینے ہوئے مالِ غنیمت کے بارے میں کیا قانون ہونا چاہیے۔ اور دشمن کے آدمیوں سے ہمارا کیا بر تاؤ ہونا چاہیے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہمارے ازلی وابدی دشمن ہیں۔ انھوں نے بلاوجہ گزشتہ پندرہ ایک سال سے ہر وقت ہمیں نقصان پہنچایا ہے۔ اس کی قطعاً کوئی توقع نہیں کہ اب وہ مسلمان ہو جائیں گے۔ وہ ہمیں جانی نقصان پہنچا چکے ہیں۔ میری رائے میں ان کا سر قلم کر دینا چاہیے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھ کر فرماتے ہیں کہ میری رائے میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قتل کرنے کی بجائے فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ ہمارے دشمن ہیں اور ممکن ہے کہ وہ اسلام نہ لائیں لیکن ہو سکتا ہے کہ ان کی آئندہ نسلیں مسلمان ہو جائیں۔ اس لیے ان کو نیست و نابود کرنے کی بجائے رہا کر دیا جائے۔ ہمیں مالی ضرورت بھی ہے۔ کیوں نہ ہم ان سے فدیہ لیں۔ جس سے ہماری مالی تقویت ہو گی اور دشمن کی مالی حالت خراب ہو گی۔ اس طرح ہم جنگ سے فائدہ اٹھائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے قبول فرماتے ہیں، لیکن یہ ایک ایسی چیز تھی جس پر مومنین کو عتاب کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں آیا ہے۔ "لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم" (68:8) (اگر خدا نے پہلے ہی فیصلہ نہ کر رکھا ہوتا تو جو چیز تم لوگوں نے لی ہے اس بنا پر لوگوں کو سخت عذاب دیا جاتا) کیوں؟ اس عذاب کی وجہ جو میرے ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ جب تک پرانی شریعتوں میں ترمیم یا تنسیخ کی کوئی وحی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ آئے، وہ ان پر عمل کرنے پر مامور تھے۔ اب تک مسلمانوں کی کوئی جنگ نہیں ہوئی تھی، اس لیے قانونِ جنگ کے متعلق کوئی احکام بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچے تھے۔ لہٰذا اس سے پہلے کے نبیوں کے احکام مثلاً توریت پر عمل کرنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ تھا۔ توریت میں صراحت سے ایک سے زیادہ مرتبہ آیا ہے کہ اگر کوئی دشمن تمھارا مقابلہ کرے، تم سے جنگ کرے اور تمھیں اس پر غلبہ حاصل ہو تو دشمن کے مردوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں، جانوروں غرض ہر متنفس کو قتل کر ڈالو۔ ان کا جو مال ہے وہ بھی تم لے لو اور مال کے سلسلے میں کئی مقامات پر مذکور ہے کہ وہ خدا کی چیز ہے۔ لہٰذا اس کو جلا دو۔ اس سے تم استفادہ نہ کرو۔ اگرچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فطری رافت و رحمت کے باعث بظاہر اس حکم پر عمل نہیں کیا اور خود اللہ نے بھی اپنے رسول کو "رحمتہ اللعالمین" کے لقب سے پکارا ہے۔ لیکن خدا کے نزدیک یہ بات نامناسب تھی کہ جب تک قانون میں تبدیلی نہ ہو اس کا بندہ اس کے احکام کی خلاف ورزی کرے۔ لہٰذا تنبیہ کی جاتی ہے۔ لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم لیکن خدا نے سزا نہیں دی۔ چونکہ خدا ہی کہتا ہے "میں پہلے ہی فیصلہ کر چکا تھا کہ پرانے قانون کو بدل دوں گا۔" چنانچہ مسلمانوں نے اس جنگ سے فائدہ اُٹھایا وہ یہ تھا کہ لاکھوں روپے مسلمانوں کو مل گئے۔ دشمن کے لاکھوں روپے خرچ ہو گئے۔ کیونکہ فدیہ اس زمانے میں بہت گراں چیز تھی، یعنی ایک سو اونٹ۔ ایک اونٹ کی قیمت ہم چالیس درہم ہی قرار دیں تو جو انتہائی کم قیمت تھی اور ہر شخص کے عوض ایک سو اونٹ فدیہ میں لیے گئے، اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ کس قدر رقم ان ستر قیدیوں سے مسلمانوں کو حاصل ہوئی ہو گی۔ بعض لوگوں کے پاس روپیہ تھا، انھوں نے روپے دے دیے۔ بعض لوگ تاجر تھے مثلاً ایک شخص اسلحہ بیچنے والا تھا، اس نے کہا میں اس رقم کے برابر اسلحہ تمھیں دیتا ہوں، اسے قبول کیا گیا۔ بعض لوگ خود غریب تھے لیکن ان کے دوستوں نے ان کی مدد کی اور چندہ کر کے ان کی رہائی کا انتظام کیا۔ بالآخر کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو بالکل غریب تھے ان کے دوست احباب بھی مالدار نہیں تھے کہ مدد کریں۔ لیکن ان میں ایک خاص خوبی یہ تھی کہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ ان کو آپ حکم دیتے ہیں کہ ایک ایک سو اونٹ دینے کی بجائے تم دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھاؤ۔ یہی تمھارے لیے فدیہ ہو گا۔ تم کو مفت رہا کر دیا جائے گا۔ اس بات سے علم کی ترقی کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمناؤں اور کوششوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنھیں نہ لکھنا پڑھنا آتا تھا، نہ مال دار تھے اور نہ ہی ان کے مالدار دوست تھے۔ بلاخر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طے فرماتے ہیں کہ ان سے صرف وعدہ لیا جائے کہ آئندہ مسلمانوں سے جنگ نہ کریں

گے اور اس وعدے پر ہی اعتماد کر کے انھیں مفت رہا کر دیا گیا۔ ایسی بھی صورتیں پیش آئیں کہ کچھ مسلمان کسی قبیلے میں قیدی تھے۔ ان کو رہائی دلانے کے لیے اس قبیلے کے آدمیوں کو رہا کر دیا گیا۔ غرض قانون جنگ کی بے شمار مثالیں اس پہلی جنگ کے دوران ہمیں نظر آتی ہیں۔ اس پر مسلمانوں کا بین المالک قانون International law مبنی ہو جاتا ہے۔ میں اس پر جنگ بدر کا بیان ختم کرتا ہوں۔

مکہ والوں کو شکست ہوئی تھی۔ وہ مکہ واپس آ گئے تھے لیکن مطمئن نہیں ہوئے۔ انھوں نے خیال کیا کہ ہمیں اتفاقاً شکست ہوئی۔ لہٰذا ہمیں انتقام لینے کی تیاری کرنی چاہیے۔ اس لیے تقریباً ایک سال تک، وہ مزید کئی لاکھ روپیہ خرچ کر کے ایسے سپاہیوں کو فراہم کرتے ہیں جو اجرت پر لڑتے ہیں۔ اس غرض سے وہ مختلف قبائل میں گئے اور کہا کہ ہر شخص کو اتنی رقم دی جائے گی، جو ہماری فوج میں بھرتی ہو اور جنگ کرے۔ اسے مالِ غنیمت بھی ملے گا۔ سال بھر کی تیاری کے بعد کفار کی فوج مکہ سے مدینہ کی طرف آتی ہے۔ اس وقت ان کی تعداد پہلے سی تگنی ہے۔ پہلی جنگ میں اگر 950 آدمی تھے تو اب تین ہزار آدمی ان کی فوج میں پائے گئے۔ مسلمانوں کے پاس ایسے لوگ جو ہتھیار اٹھا سکتے تھے زیادہ سے زیادہ ایک ہزار تھے۔ اور ان میں سے تین سو آدمی آخری وقت میں دغا دے کر میدان چھوڑ گئے۔ مدینہ منورہ میں اسلام سے پہلے ایک شخص عبد اللہ بن ابی بن سلول تھا جس کو مدینہ والے بادشاہ بنانا چاہتے تھے۔ کم از کم ایک قبیلہ کے لوگ اس کے لیے سناروں سے تاجِ شہریاری تیار کرنے کے لیے فرمائش بھی کر چکے تھے۔ اتنے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آتے ہیں اور اسکی بادشاہی کا مسئلہ داخل دفتر کر کے ختم کر دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے اسے دکھ ہوا ہو گا۔ وہ خوش دلی اور اخلاص کے ساتھ ہرگز مسلمان نہیں ہو سکا ہو گا۔ چنانچہ اس شخص نے جنگ احد کے موقع پر، جس کا میں اب ذکر کر رہا ہوں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ مدینے کے اندر رہ کر مقابلہ کرنا چاہیے، مدینے سے باہر جا کر کھلے میدان میں دشمن کا مقابلہ نہیں کرنا چاہیے۔ ابتداء میں رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی بھی یہی رائے تھی۔ آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ بالآخر اکثریت کی رائے سے اور نوجوانوں کے اصرار پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طے فرمایا کہ ہم باہر نکل کر ہی مقابلہ کریں گے۔ اس وقت عبد اللہ بن ابی بن سلول کہتا ہے کہ یہ شخص بچوں کی بات تو مانتا ہے لیکن مجھ جیسے عقل مند اور پرانے تجربہ کار کی بات نہیں مانتا۔ اس کا ساتھ دینا ہمارے لیے مصیبت کا باعث بنے گا۔ لہٰذا وہ اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر مدینے واپس ہو جاتا ہے۔

غرض سات سو آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے ہیں اور دشمن کی فوج تین ہزار ہے۔ میرے لیے یہ ممکن نہیں کہ عین موقعے پر جو مختلف حل طلب مسئلے پیدا ہوتے ہیں کہ مسلمانوں کی فوج کہاں ہو، کس پہاڑی کو، کس چشمے کو کس

کس طرح استعمال کیا جائے، سب کی تفصیل بیان کروں۔ اس میں وقت لگے گا۔ میں مختصراً یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس مقام پر مسلمان مقیم ہوئے، وہ ایک محفوظ مقام تھا، یعنی جبل احد نامی پہاڑی کے دامن میں۔ یہ پہاڑ ایک کمان کی طرح ہے جس کے اندر دو دائرے سے بھی ہیں اور بہت ہی تنگ راستے سے گزر کر اندرونی دائرے کے اندر داخل ہو سکتے ہیں۔ اس اندرونی وسیع میدان میں مسلمان قیام اور جنگ کے لیے بیرونی دائرے کے اندر اور اس سے بھی نیچے کھلے میدان میں آتے ہیں۔ دشمن ایک اور مقام پر ٹھہرا ہوا تھا۔ مسلمان جس مقام پر لڑنے کے لیے صف بندی کرتے ہیں وہاں ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے جس کو جبل الرماۃ کہتے ہیں یعنی تیر اندازوں کی پہاڑی۔ فوجی نقطہ نظر سے وہ اہم سمجھی گئی، کہ اس پر ہمارے آدمی مامور ہوں تاکہ دشمن ہمارے پیچھے سے حملہ نہ کرے۔ اس کے لیے پچاس تیر انداز مامور کیے گئے۔ صرف دو سوار مسلمانوں کی فوج میں تھے۔ ایک حضرت ابوہریرہ اور دوسرے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ ان کو مامور کیا گیا کہ تم یہیں جبل الرماۃ کے پاس رہو کہ اگر دشمن کی سوار فوج اس طرف سے آئے تو سب مل کر اس کا مقابلہ کرنا۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اندازے کے مطابق واقعی دشمن نے اپنی پیدل فوج کو احد کے سامنے کے میدان میں آگے بڑھایا اور اپنے سواروں کو خالد بن ولید اور ان کے قریبی رشتہ دار عکرمہ بن ابی جہل کی سرداری میں جبل احد کی پیچھے سے تقریباً دس بارہ میل کا چکر کاٹ کر مسلمانوں کے پیچھے آکر ان پر حملہ کرنے کے لیے مامور کیا۔ جنگ شروع ہو گئی۔ پہلے دھاوے میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ دشمن بھاگنے لگا اور ان کی عورتیں بھی بھاگنے لگیں۔ عین اس وقت دشمن کی سوار فوج پیچھے سے پہنچ گئی۔ اس نے حملہ کیا اور تیر اندازوں اور مسلمانوں کی فوج کے دونوں سواروں نے ان کا مقابلہ کیا اور انھیں پسپا بھی کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک تنگ مقام تھا۔ خالد بن ولید پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر حملہ کرتے ہیں۔ دوسری مرتبہ پسپا ہوتے ہیں اور اس اثنا میں جیسا کہ ابھی میں نے کہا، دشمن کو شکست ہو چکی تھی۔ وہ بھاگ رہا تھا اور مسلمان سپاہی دشمن کو لوٹنے میں مصروف تھے۔ اس وقت اس پہاڑی پر متعین تیر انداز سوچنے لگے کہ ہمیں اس وقت یہاں نہیں رہنا چاہیے۔ دشمن کو شکست ہو چکی ہے۔ اب کوئی ضرورت نہیں کہ ہم یہاں رہیں۔ لہٰذا ہم بھی جائیں اور لوٹنے میں مصروف ہوں۔ حالانکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی صریح اور سخت الفاظ میں تاکید کی تھی کہ اگر تم ہماری لاشوں پر گِدھوں کو بھی منڈلاتے ہوئے دیکھو تب بھی اس مقام سے نہ ہٹنا۔ مگر ان کی سمجھ میں بات نہ آئی۔ ان کے سردار نے تو انھیں روکا مگر بہت سے سپاہی نافرمانی کر کے پہاڑی سے چلے گئے۔ پہاڑی خالی دیکھ کر خالد بن ولید کے سوار سہ بارہ حملہ کرتے ہیں۔ مسلمان تیر اندازوں کا سردار اور اسکے ساتھ باقی رہنے والے آٹھ دس آدمی شہید ہو جاتے ہیں اور دشمن سوار اس چھوٹے سے تنگ مقام سے گزر کر مسلمانوں پر ان کے پیچھے سے حملہ کر دیتے ہیں۔ جب مسلمان لوٹ رہے تھے تو سامنے دشمن کی فوج بھاگ رہی تھی۔ دشمن کو حیرت ہوئی کہ کیا بات ہے کہ ہمارا تعاقب کرنے کی بجائے وہ مڑ کر پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ اب وہ بھگوڑے دشمن بھی مڑ کر حملہ

کرتے ہیں اور مسلمان دو طرف سے دشمن فوج میں گھر جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ستر مسلمان شہید ہوتے ہیں اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخمی ہو جاتے ہیں۔ بہت سے مسلمان بھاگتے ہیں۔ کوئی تو تین تین دن کے فاصلے پر جار کتا ہے۔ کچھ لوگ پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ غرض یہ کہ مسلمانوں کو صاف الفاظ میں شکست ہو گئی۔ اس وقت کچھ خدائی تقدیر سے سابقہ پڑتا ہے۔ قریش کی فوج کے لیے فتح مکہ کے بعد مناسب یہ تھا کہ وہ فوراً مدینہ جاتی۔ وہاں کوئی حفاظتی فوج تو تھی نہیں۔ وہ شہر مدینہ کو لوٹ لیتے اور عورتوں بچوں کو گرفتار کر لیتے۔ اس طرح اپنی اس فتح کو مکمل کرتے مگر انھوں نے یہ نہیں کیا۔ شاید یہی خدا کی مشیت تھی۔ اس کے علاوہ کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ دشمن فوج کا سردار یعنی ابوسفیان انتہائی فراست مند تھا۔ جس نے بدر کی جنگ میں محض اونٹ کی لید سے معلوم کر لیا تھا کہ مدینے کے مسلمان آئے ہیں۔ وہ احد میں میدان جنگ کا دورہ کرتا ہے۔ مسلمانوں کی لاشوں کو بھی دیکھتا ہے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا بھی شہید ہو گئے تھے ان کا سینہ چیر کر ان کے کلیجے یا جگر کو ابوسفیان کی بیوی نے چبا ڈالا تھا، اس کو بھی وہ دیکھتا ہے۔ کہتا ہے میں نے اس کا حکم نہیں دیا تھا، گو دل میں خوش ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا بہادر شخص اب ختم ہو چکا ہے۔ پھر وہ ایک مقام پر، جہاں دو چار مسلمان ایک پہاڑی کی چوٹی پر موجود ہیں، یہ آواز دے کر چلاتا ہے "تعریف ہو ہبل بت کی جسے فتح ہوئی اور تمھیں شکست ہوئی۔" اس طرح وہ شیخی کے نعرہ لگاتا ہے۔ شروع میں جب یہ آواز آئی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ وہ یہ کہہ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا جواب مت دو۔ ابوسفیان چلایا۔ کیا ابو بکر زندہ ہے؟ کیا عمر زندہ ہے؟ جب کوئی جواب نہیں ملا تو کہا۔ الحمد للہ سب مر چکے ہیں۔ اس کے بعد وہ پھر کہتا ہے: تعریف ہو ہبل کی، اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہ رہا گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر جواب دیتے ہیں۔ "اے اللہ کے دشمن ہم سب زندہ ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی زندہ ہیں، ابو بکر بھی زندہ ہیں۔ عمر بھی زندہ ہیں۔ اس وقت ابوسفیان کو کیا کرنا چاہیے تھا؟ اس پہاڑی کے چھوٹے سے دستے کو جس میں مشکل سے آٹھ دس آدمی ہوں گے، اوپر چڑھ کر قتل کر دینا چاہیے تھا کیونکہ ابوسفیان کے ساتھ فوج تھی، لیکن وہ کچھ نہیں کرتا۔ صرف یہ کہتا ہے کہ جنگ ایک ایسی چیز ہے کہ کل تم کو، آج ہم کو فتح ہوئی ہے۔ مجھے جو بدر میں شکست ہوئی تھی، آج میں نے اس کا بدلہ لے لیا۔ میرا بیٹا حنظلہ مارا گیا تھا، آج دوسرے حنظلہ جو بہت بڑے مسلمان مجاہد تھے، ابو عامر راہب کے بیٹے تھے۔ نہایت راسخ العقیدہ مسلمان تھے، شہید ہو گئے۔ میں حنظلہ کے بدلے میں حنظلہ کو قتل کر چکا ہوں۔ آئندہ سال پھر تم سے اسی زمانے میں جنگ ہو گی۔ غرض یہ کہ ابوسفیان نے نہ جانے کس بنا پر فتح سے فائدہ نہیں اُٹھانا چاہا، سوائے اس کے کہ اس کی عقل ماری گئی ہو۔ اس نے کچھ نہیں کیا اور واپس ہو گیا۔ جب واپس ہونے لگا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عسکری فراست سے سوچتے ہیں کہ شاید مدینہ کو لوٹنے جا رہے ہیں۔ اب کیا کرنا چاہیے۔ کس طرح شہر کی حفاظت کی جائے؟ اولاً ایک دو سپاہیوں کو معلوم کرنے کے لیے بھیجے

شمال
لشکر اسلامی
رسول اللہ نے پناہ لی
رسول اللہ نے آرام فرمایا
مدفن دندان نبوی
فوج قریش
چشمہ
سابقہ نخلستان
سطح مرتفع
حضرت حمزہ کا موجودہ مزار اور مسجد
وادی قناۃ
جبل عینین
تیراندازوں کا دستہ
نقشہ غزوہ احد
UrduPhoto.com
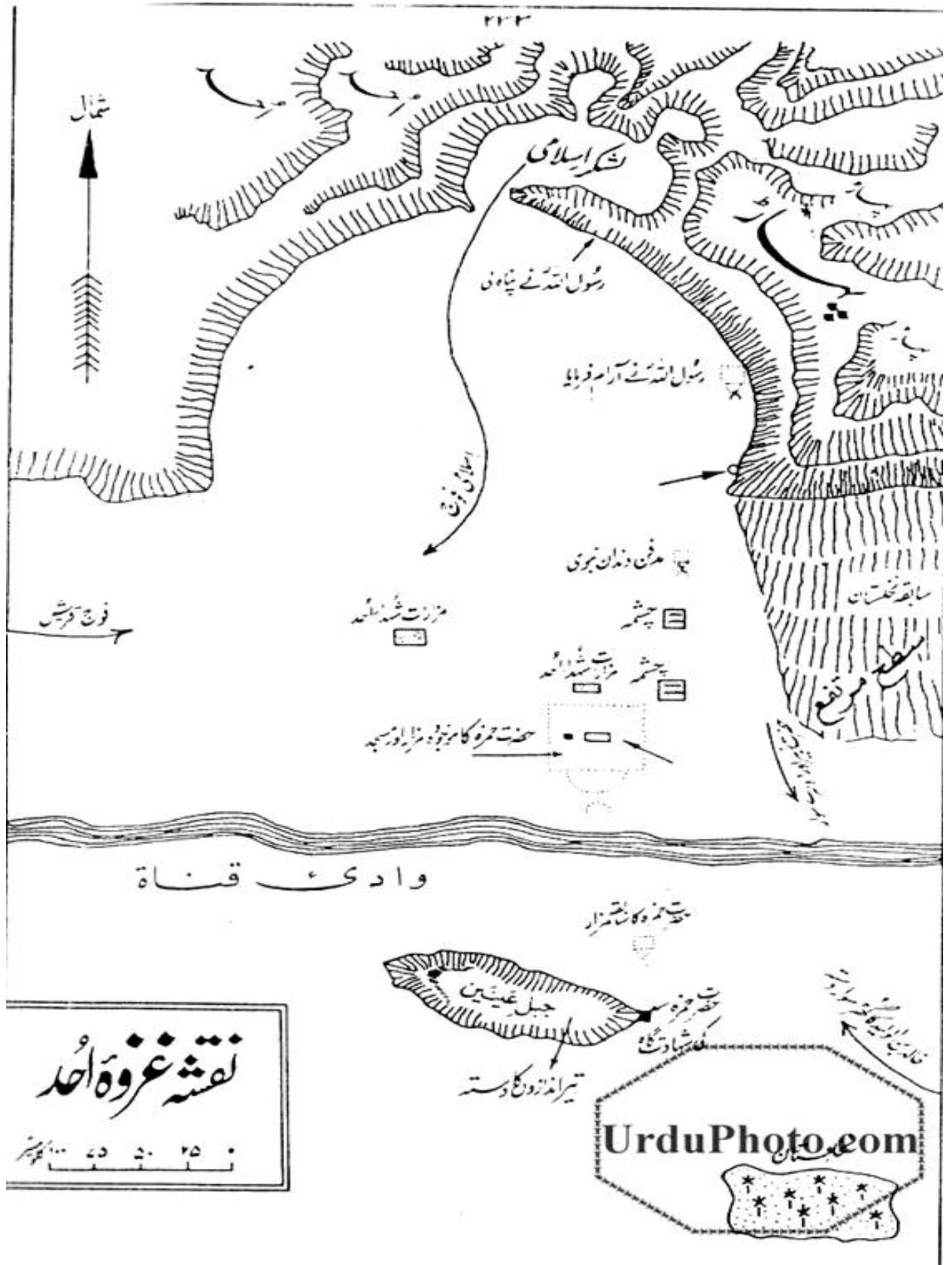
ہیں کہ یہ مکہ جارہے ہیں یا مدینہ جارہے ہیں۔ یہ تمھیں کس طرح معلوم ہو گا؟ یہ دیکھو کہ وہ گھوڑوں پر سوار ہیں یا گھوڑوں کو کوتل میں لے کر اونٹوں پر سوار ہیں۔ گھوڑوں پر سوار ہوں، تو معلوم ہو گا کہ کسی قریبی مسافت پر جارہے ہیں۔ ان سپاہیوں نے واپس آکر بتایا کہ وہ اونٹوں پر جارہے ہیں اور گھوڑے کوتل میں ساتھ ہیں، تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان ہوا۔ پھر شہیدوں کو دفن کرنے، زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد آپ مدینہ تشریف لاتے ہیں۔ لیکن عسکری فراست سے آپ پھر سوچتے ہیں کہ شاید دشمن آگے جاکر پشیمان ہو اور پلٹ آئے۔ اس کے دفاع کے لیے انتظام ضروری ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعلان فرماتے ہیں کہ جو لوگ احد کی جنگ میں شریک تھے، صرف وہی شہر سے نکلیں۔ کسی اور شخص کو فوج میں داخلے کی اجازت نہیں۔ یہ حکم کس بنا پر دیا گیا، ہمارے فوجی تجربہ کار افسر بیان کریں گے۔ شاید اس بناء پر کہ انہی لوگوں کو انتقام کا جذبہ زیادہ ہو گا۔ بہر حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سپاہیوں کو لے کر جن میں سے بہت سے زخمی بھی تھے، مدینہ کے جنوب میں تقریباً تین دن کی مسافت تک دشمن کے پیچھے پیچھے جاتے ہیں، پھر قیام کرتے ہیں۔ ابوسفیان نے اب سوچا کہ ہم نے غلطی کی کہ اپنی فتح سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم مدینہ کی طرف واپس جائیں۔ واپس آنے لگا تو اسے بھی پتہ چل گیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینے سے نئی فوج لے کر ہمارے مقابلے کے لیے آچکے ہیں۔ اسے ڈر ہوا کہ پہلے بھی لڑائی میں ہم ان کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے تو اب کیا کریں گے۔ لہٰذا ابوسفیان کو ہمت نہیں ہوئی کہ دوبارہ مدینے کی طرف آئے۔ وہ مکہ واپس جاتا ہے۔ یہ دوسری لڑائی تھی۔ اس لڑائی میں دشمن کو نہ فتح ہوئی نہ شکست۔ لیکن دو پہلو قابل ذکر ہیں۔ پہلا پہلو یہ ہے کہ مسلمانوں کو جو شکست ہوئی تھی۔ اس کو بہتر بنانے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ رسول اکرم صلی اللہ وسلم کو یہ فکر تھی کہ مسلمانوں کی فوج پست ہمت ہوچکی ہے، اس میں دوبارہ خوداعتمادی کیسے پیدا کی جائے اور کیسے مسلمانوں کی حالت کو سدھارا اور بہتر بنایا جائے۔ دوسری طرف دشمن کی اس واپسی سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں ان پر غور کرکے مناسب انتظامات کیے جائیں۔ وقت کی کمی کی وجہ سے میں ان تفصیلات میں نہیں جاتا۔ صرف یہ عرض کروں گا، کہ کوئی دو سال کے بعد مکہ والے دوبارہ مسلمانوں سے جنگ کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس کی وجہ سے انھیں ہمت ہوئی کہ مدینے پر حملہ کریں۔ وہ یہ کہ مکہ والوں کی بدر سے واپسی کے بعد مدینہ کے اندر مسلمانوں کی ایک یہودی قبیلے سے، اور احد کی جنگ کے بعد ایک اور یہودی قبیلے سے جنگیں ہوئیں۔ ان میں سے پہلے بنو قینقاع اور دوسرے بنو النضیر تھے۔ بنو النضیر والے بہت مالدار تھے۔ جب انھیں مدینہ سے نکلنا پڑا تو خیبر جاکر بسے یہ مدینہ کے شمال میں کوئی پانچ دن کی مسافت پر تھا۔ اپنی دولت کے بل بوتے پر انھوں نے مسلمانوں سے انتقام لینا چاہا۔ خود مقابلہ کرنے کی

بجائے کرائے کے ٹٹو جمع کر لیے۔ چنانچہ یہودیوں نے مکہ والوں سے کہا کہ تم اگر مدینہ پر حملہ کرو تو ہم تمھیں پوری مدد دیں گے۔ اسی طرح مکہ کے حلیف قبائل کو کہا کہ اگر تم آئندہ جنگ میں بھی مکہ والوں کا ساتھ دے کر جنگ کے لیے نکلو تو ہم بھی تمھاری مدد کریں گے۔ آس پاس یہودیوں کے حلیف قبائل تھے ان کو بھی دولت کا لالچ دیا اور کہا کہ خیبر کی کھجوروں کی جو پیداوار ہو گی وہ پوری تمھیں دے دی جائے گی۔ بشرطیکہ تم مدینے پر حملہ کرنے میں مکہ والوں کا ساتھ دو۔ غرض یہ کہ بارہ ہزار کی فوج مدینے پر حملہ کے لیے نکلتی ہے۔ مختلف وسائل سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہو گئی۔ میں پوری تفصیلات میں جا نہیں سکتا۔ بہر حال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اب شہر کے اندر رہ کر مقابلہ کرنا طے فرماتے ہیں۔ مدینے والے بھی اس بار اصرار نہیں کرتے کہ باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ لیکن روزانہ سخت سے سخت اور خطرناک سے خطرناک خبریں آ رہی تھیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ فلاں فلاں دشمن قبائل بھی جنگ کے لیے آ رہے ہیں۔ بارہ ہزار کے مقابلے میں مسلمانوں کی فوج کی تعداد اس وقت پندرہ سو سے زیادہ نہیں تھی۔ دشمن کے پاس کثیر فوج کے علاوہ مالی وسائل بھی تھے۔ ان کی پشت پر خیبر کا بہت مالدار علاقہ بھی تھا۔ اس وقت مشورۃً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معلوم کیا، اور یہ کہتے ہیں کہ سلمان فارسی کا مشورہ تھا، کہ جب دشمن طاقتور ہو تو ایران والے اپنے پڑاؤ کے اطراف خندق کھود لیتے ہیں تاکہ غفلت کی حالت میں دشمن اس کو عبور کر کے دن یا رات یا کسی وقت بھی ان پر چھاپہ نہ مارے۔ کہاں خندق کھودنی چاہیے۔ واقدی وغیرہ نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں۔ مدینے کے دو چار لوگوں کو ساتھ لیتے ہیں اور شہر کے اطراف کا چکر لگاتے ہیں۔ معلوم کیا کہ کس مقام پر شہر کا دفاع کمزور ہے۔ کس مقام پر ان کو قدرتی سہولتیں حاصل ہیں اور طے کیا کہ کس مقام سے کس مقام تک خندق کھودنی چاہیے۔ اور پھر پوری تندہی سے سارے مسلمان سپاہی اس کام میں لگ جاتے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انجینئر بن کر بتاتے ہیں کہ کس جگہ خندق کھودنی چاہیے۔ اور واقعۃً اتنی بہتر جگہ ہے کہ آج بھی کوئی بڑے سے بڑا جنرل مدینے میں اس مقام سے بہتر کسی جگہ کا انتخاب نہیں کر سکے گا۔ وقت بہت کم ملا، اس کے باوجود دشمن کے آنے تک خندق کھود لی گئی۔ یہ خندق کیسی تھی۔ کچھ تفصیلیں مجھے ملی ہیں۔ لکھا ہے کہ اتنی چوڑی تھی کہ تیزی سے دوڑنے والا گھوڑا بھی اس کو پھلانگ کر عبور نہ کر سکے اور گہرائی اس قدر تھی کہ اندر کوئی آدمی ہو تو اپنے آپ باہر نہ آ سکے۔ یعنی تین چار گز گہرائی ہو گی۔ اس انتظام سے فارغ ہوئے تھے کہ دشمن آ پہنچا۔ اس کے لیے یہ نئی چیز تھی۔ مکہ والوں اور انکے ہمراہی بدوؤں کو کبھی خندق کی جنگ کا سامنا نہیں ہوا تھا۔ اب وہ اس مقابلے کے لیے مجبور ہوئے تھے تو اس کے سوا کہ دور سے تیر چلائیں، ان کے لیے کوئی چارہ نہیں تھا۔ یہ خندق جس مقام پر تھی وہاں درمیان میں کچھ پہاڑوں کی چھوٹی چھوٹی چوٹیاں بھی ہیں جو خندق تک آتی ہیں۔ پھر تھوڑا سا حصہ خالی رہ جاتا ہے۔ پھر دوبارہ خندق شروع ہو جاتی ہے۔ اس طرح دو مقامات پر ایسا نظر آیا ہے اور وہاں خندق نہیں کھودی گئی ان کی چوٹیوں پر مسلمان سپاہی متعین

رہتے تھے۔ وہ دشمنوں کو دیکھتے تھے۔ ایک دن دشمن کا ایک شہسوار بڑی تیزی سے آیا اور خندق کو عبور کر کے مسلمانوں کے کیمپ میں آگیا۔ غالباً وہ کوئی ایسا ہی مقام ہو گا جہاں پہاڑ کی چوٹی اور خندق کے درمیان کا حصہ خالی تھا۔ اس کا گھوڑا پہاڑ کی چوٹی پر چڑھتا ہوا چھلانگ مار کر اندر آگیا۔ مگر وہ تن تنہا تھا۔ مسلمانوں نے اس کا تعاقب کیا اور اس کو بھاگ جانے پر مجبور کیا۔ اس نے کوشش کی کہ اس کا گھوڑا چھلانگ کر عبور کرے مگر کامیاب نہ ہوا۔ گھوڑا بھی اور وہ بھی خندق میں گر گئے۔ مسلمانوں نے اسے خندق میں ہی مار ڈالا۔ اس وقت ہمیں قانونِ جنگ کی ایک شق، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انسانیت پروری کی ایک نئی مثال ملتی ہے وہ مقتول دشمن کی فوج کا بہت ہی ممتاز افسر تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیام آیا کہ اس کی لاش ہمیں واپس دے دو تو ہم تم کو خون بہا ایک سو اونٹ اونٹ دینے کو تیار ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مفت لے جاؤ مجھے اس مال کی ضرورت نہیں۔ یقیناً اس سے دشمن کے دل پر اچھا اثر پڑا ہو گا اور ہم دیکھیں گے کہ بعد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کو نیست و نابود کرنے کی بجائے ایسی ہی تدبیروں سے اس کو مسلمان ہونے پر آمادہ کرتے رہے۔ غرض یہ کہ خندق کی جنگ کا سلسلہ کئی ہفتوں تک جاری رہا۔ قریش کے پاس زادِ راہ ختم ہو گیا۔ انھوں نے خیبر سے کچھ چیزیں منگوائیں جو ان تک پہنچیں۔ مسلمان کے دستے ہر وقت چوکس رہتے تھے۔ انھوں نے ایک مرتبہ اس آنے والی مدد کو روک کر چھین لیا اور قریش کو اس آخری مدد سے جو مل رہی تھی محروم کر دیا۔ قریش دل برداشتہ ہو جاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس لڑائی کو ختم کر کے واپس چلے جائیں۔

ہمارے مؤرخ عام طور پر اس واپسی کی وجہ موسم کی خرابی بیان کرتے ہیں، کیونکہ بہت شدید سردی تھی اور ہوا اتنی تیز چل رہی تھی کہ قریشی فوج کے ڈیرے گر پڑے تھے۔ ان حالات میں ابوسفیان نے طے کیا کہ واپس ہونا چاہیے۔ لیکن میری ذاتی رائے یہ ہے کہ واپسی محض موسم کی خرابی کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ ایک اور وجہ سے بھی تھی۔ یہ جنگ شوال میں ہوئی ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ عرب میں اسلام سے پہلے حرام مہینوں (اشہر حرم) کا تصور تھا جن میں وہ جنگ کو ناجائز سمجھتے تھے۔ ان میں پہلا مہینہ ہے ذی قعدہ، دوسرا ذی الحجہ، تیسرا محرم اور چوتھا رجب۔ اب حرام مہینوں کا آغاز ہو رہا تھا۔ شوال کی آخری تاریخ تھی۔ اب اگر ابوسفیان اور اس کی فوج وہیں رکتی تو حج کے زمانے میں مکہ آنے والے مسافروں سے جو منفعت مقامی لوگوں کو حاصل ہوتی تھی (جو آج بھی ہوتی ہے) وہ لوگ اس سے محروم ہو جاتے۔ دوسرے یہ توہمات (superstitions) بھی تھے کہ حرام مہینوں میں جنگ نہیں ہونی چاہیے۔ موسم کی خرابی کے علاوہ یہ دونوں وجوہ زیادہ مؤثر رہے ہوں گے، بہر حال آخری دنوں میں قریشیوں نے ایک تدبیر اور سوچی اور اس کا غالباً انہیں خیبر کے یہودیوں سے مشورہ ملا۔ جب خیبر کے یہودیوں کو معلوم ہوا کہ بارہ ہزار کی فوج کے باوجود ایک مہینے میں قریش کامیاب نہیں ہو رہے ہیں تو ان کا سردار مدینہ آیا، چھپ کر صورتِ حال معلوم کی اور دیکھا کہ ایک

نقشہ اُحد اور خندق
شمال
خندق
جبل عیر
مسجد قبا
وادی العقیق
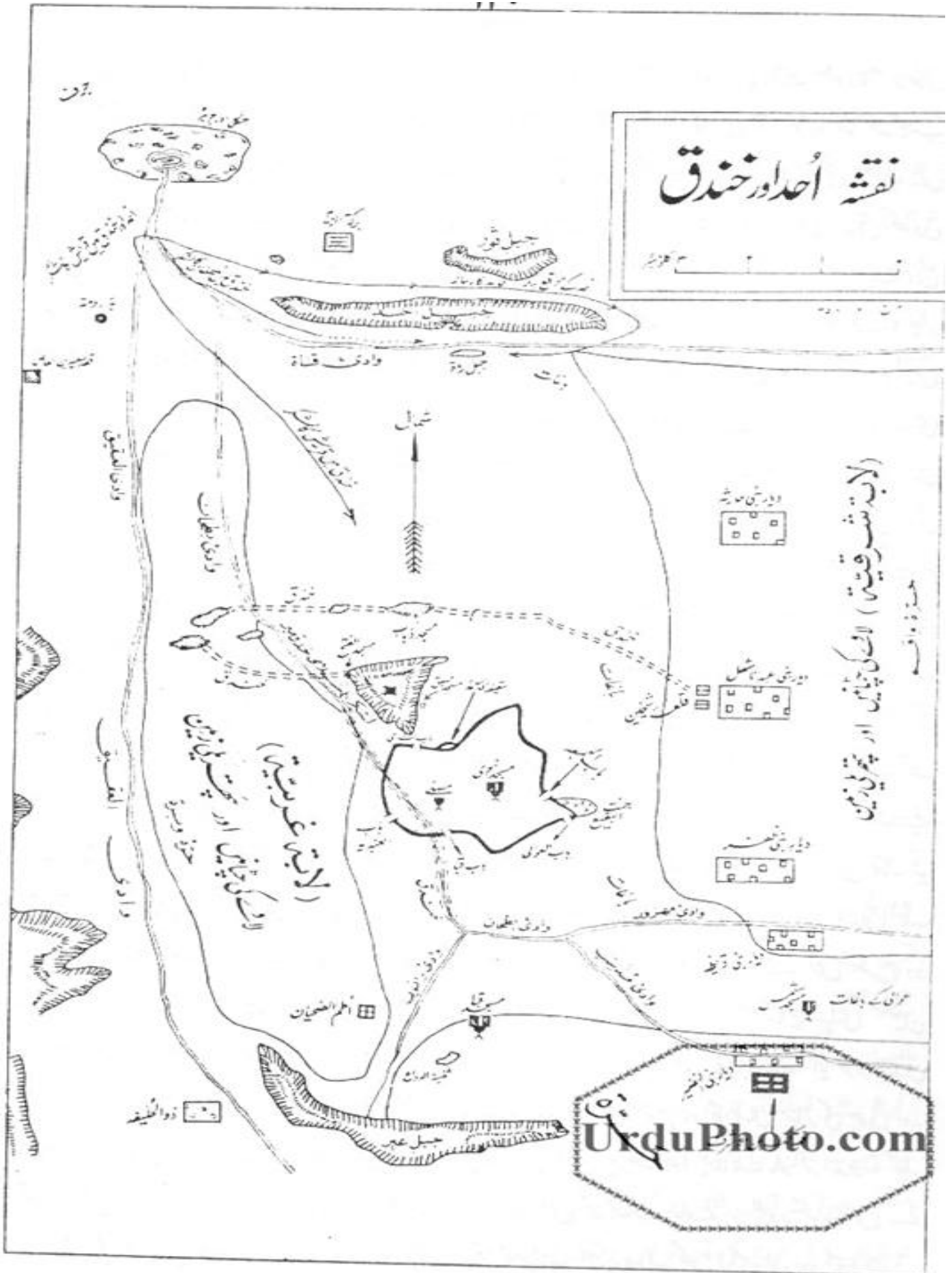
صورت مسلمانوں کو شکست دینے کی ممکن ہے، وہ یہ کہ مدینے کے اندر بھی یہودیوں کا ایک قبیلہ بنو قریظہ رہتا تھا اور مسلمان ان کی طرف سے مطمئن تھے۔ یہ لوگ مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کریں اور عین اس وقت ایسا ہو کہ سامنے سے قریش اور انکے ساتھی جنگ کر رہے ہوں۔ اس طرح مسلمان دو دشمنوں میں گھر جائیں گے اور انھیں شکست ہو جائے گی۔ بنو نضیر کا یہ سردار بنو قریظہ کے پاس جاکر ان کو آمدہ کرتا ہے کہ تم جنگ کرو۔ اس کی اطلاع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو گئی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عسکری ذہانت اور سیاسی فراست سے اس سازش کو توڑنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ایک شخص کا انتخاب کیا گیا، جو اب تک غیر مسلم جانا جاتا تھا۔ سب لوگ جانتے تھے کہ وہ مشرکین عرب میں سے ہے۔ وہ نیا نیا مسلمان ہوا تھا اور ابھی اس کے ایمان لانے کی خبر نہیں پھیلی تھی۔ اس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیاسی مشن پر مامور کیا، چنانچہ وہ پہلے بنو قریظہ کے ہاں جاتا ہے اور ان سے کہتا ہے اگر قریش کے لوگ تم سے مطالبہ کریں کہ تم حملہ کرو تو اس کا اطمینان کر لو کہ اس لڑائی کے بعد قریش تمھیں چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ کیونکہ اگر مکہ والے واپس ہو گئے تو تم تنہا رہ جاؤ گے۔ پھر تم تنہا رہ کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مقابلہ نہیں کر سکتے اور یہ اطمینان حاصل کرنے کے لیے کہ قریش نہیں جائیں گے تم ان سے یرغمال کا مطالبہ کرو، کہ چند آدمی اپنے سرداروں میں سے ہمارے سپرد کر دیں تاکہ ہمیں اطمینان رہے کہ تم آخری وقت ہمیں دغا دے کر نہیں چلے جاؤ گے۔ انھوں نے کہا: بات تو تم ٹھیک کہتے ہو۔ پھر وہ شخص قریش کے کیمپ میں جاتا ہے اور کہتا ہے تمھیں معلوم ہے کہ میں تمھارا دوست ہوں۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ بنو قریظہ کے یہودیوں میں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ساز باز ہو گئی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ قریش کے چند سرداروں کو اپنے قبضے میں لائیں اور پھر ان کو محمد (صلی اللی علیہ وسلم) کے سپرد کر دیں۔ ایک شخص دوڑتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا ہے کہ فلاں شخص یہ کہہ رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی ذو معنی انداز میں جواب دیا۔ **"لعلنا امرنا هم بذالک"** شاید ہم ہی نے انھیں ایسا حکم دیا ہو۔ دشمن کا وہاں ایک جاسوس موجود تھا وہ دوڑا دوڑا ہوا جاتا ہے اور ابوسفیان کو اطلاع دیتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ابھی ابھی کہا کہ شاید ہم ہی نے بنو قریظہ کو ایسا حکم دیا ہو۔ جب قریش کا وفد بنو قریظہ کے پاس پہنچا تو اس نے دو مطالبہ کیے ایک تو یہ کہ اپنے یرغمال ہمیں دے دو، دوسرا مطالبہ یہ کہ سنیچر کے دن جنگ نہ ہو، کیونکہ سنیچر کے دن یہودی مذہب میں جنگ کرنا حرام ہے۔ غرض یہ کہ قریش اور بنی قریظہ میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور اس طرح سیاسی ذرائع سے اس حملہ کا سدباب کر لیا گیا جو مسلمانوں پر آخری دن مدینہ کے جنوب سے بھی اور شمال سے بھی ہونے والا تھا۔ اس طرح قریش کی فوج اور ان کے ساتھی ناکام ہو کر مدینے سے واپس جاتے ہیں۔ اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ قریش کی آخری کوشش تھی۔ اب آئندہ ابتداء initiative ہمارے ہاتھ میں رہے گی ہم فیصلہ کیا کریں گے کہ کب جنگ شروع ہو اور کس سے ہو۔

مکہ والے ابتدائی دو شکستوں کے بعد یہودیوں اور دیگر لوگوں کی ترغیب پر تیسری بار مدینہ پر حملہ آوار ہوئے تھے۔ جنگِ خندق میں انھیں کامیابی نہیں ہوئی وہ محاصرہ اٹھا کر واپس آ گئے۔ اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش بینی فرمائی جیسا کہ حدیث میں صراحت سے ذکر ہے کہ اب دشمن ابتداء initiative نہیں لے گا بلکہ initiative ہم لیں گے۔ اس کے کیا معنی تھے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ اب مکہ والوں کو جرات نہیں ہوگی کہ پھر مدینہ پر حملہ آور ہوں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ اس وقت جو سکون کا وقفہ ملا ہے اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس وقت وہ تدبیریں اختیار کی جاتی ہیں، جن کا تعلق براہ راست فوج اور جنگ سے نہیں ہے لیکن انکا اثر فوجی کاروائیوں پر پڑتا ہے۔ اسی زمانے میں یک قحط عرب میں نمودار ہوا جس سے مکہ والے بے انتہا متاثر ہوئے۔ مکہ میں چونکہ زراعت نہیں ہوتی، انھیں غلہ باہر سے درآمد کرنا پڑتا ہے۔ جن مقامات سے غلہ درآمد ہوتا تھا، وہاں بھی قحط کے آثار نمایاں تھے اور وہ بھی ان کو غلہ مہیا نہیں کر سکتے تھے۔ اس زمانے میں ایک چھوٹا سا واقعہ پیش آیا۔ جس کا اثر فوجی نقطہ نظر سے پڑتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس زمانے میں نجد ایک واحد علاقہ تھا جہاں کی پیداوار قحط سالی سے بچ گئی تھی، اور وہاں سے غلہ مکہ کو برآمد ہو سکتا تھا۔ ایک دن مسلمانوں کا ایک فوجی دستہ کسی مقام پر تھا۔ اس نے ایک شخص کو مشتبہ حالت میں دیکھ کر گرفتار کر لیا اور اسے مدینہ لے آئے۔ اس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شخصاً پہچانتے تھے۔ وہ نجد کا ایک بہت بڑا سردار ثمامہ بن اثال تھا۔ اور ایک مرتبہ ہجرت سے قبل مکہ بھی آیا تھا۔ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے حسبِ عادت اس کو بھی تبلیغ اسلام کی تھی، تو اس نے دھمکی دی تھی کہ اے محمدؐ! چپ رہ، ورنہ میں تجھے جان سے مار ڈالوں گا۔ اب وہی شخص گرفتار ہو کر مدینہ لایا گیا۔ رسول اکرم صلی علیہ وسلم اس سے کہتے ہیں کہ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تو اپنی بے دینی اور بت پرستی چھوڑ کر، اپنے بنانے والے اللہ کی عبادت کرے۔ اس نے کہا "اے محمدؐ، اگر تجھے فدیہ کے مال کی ضرورت ہے تو جتنا مال کہو، مین دینے کو تیار ہوں۔ میں مالدار ہوں۔ اگر تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے تو میں ذودم ہوں (یہ ایک عربی کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں خون والا) بظاہر اس کے معنی یہی معلوم ہوتے ہیں کہ میں قتل کیے جانے کا مستحق ہوں۔ میں خون بہا چکا ہوں۔ غالباً اس نے کسی مسلمان کا قتل کیا تھا۔ بہر حال اس کا جواب یہی تھا کہ جتنا فدیہ مانگتے ہو میں دینے کو تیار ہوں۔ اس پر گفتگو ختم ہو جاتی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے ہیں کہ اس شخص کو مسجد میں ایک ستون کے ساتھ باندھ دو تاکہ یہ دن بھر ہماری عام زندگی کو دیکھے اور ہماری نمازوں کا مشاہدہ کرے۔ اسے کھلایا پلایا بھی جاتا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ وہ ایک آدمی دس آدمیوں کے برابر کی خوراک کھاتا تھا اور اسے پورا کھانا دیا جاتا تھا۔ اسے انسانی ضرورتوں کے لیے یقیناً کھولا جاتا ہوگا۔ پھر واپس لا کر اسے باندھ دیتے ہوں گے۔ پھر ہر نماز کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے گزرتے اور اسے کہتے کہ اسلام لاؤ وہ ہمیشہ یہی جواب دیتا۔ اگر فدیہ مانگتے ہو تو مانگو۔ جتنا کہتا کہو میں دینے کو تیار ہوں۔ مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تو میں خون والا شخص ہوں، کئی دن اس طرح گزر گئے آخر اس

طرح کے جواب کو بیسیوں بار سن کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فرماتے ہیں۔" جاؤ میں تمھیں مفت چھوڑ دیتا ہوں۔" یہ اس کے لیے غیر متوقع چیز تھی۔ اس لطف اور مہربانی سے بے حد متاثر ہوا۔ وہ مسجد سے نکلتا ہے، قریب ہی ایک کنویں پر جا کر غسل کرتا ہے اور واپس مسجد میں آکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہتا ہے۔ اشھد ان لا الہ الااللہ واشھدان محمداً رسول اللہ اور اس جملے کا بھی اضافہ کرتا ہے کہ اب سے چند منٹ پہلے تک دنیا کا وہ شخص جس سے میں سب سے زیادہ نفرت کرتا تھا، تم تھے۔ لیکن اب دنیا کا وہ شخص جس سے میں سب سے زیادہ محبت کرتا ہوں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس کے بعد اس نے فوجی نقطہ نظر سے جو بات کہی، وہ یہ تھی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ملک سے مکہ والوں کو غلہ فراہم کیا جاتا ہے۔ خدا کی قسم اب جب تک آپ مجھے اس کا حکم نہیں دیں گے اس وقت تک ایک دانہ بھی غلہ کا نجد سے مکہ نہیں بھیجا جائے گا۔ نجد کے غلہ کی بندش سے مکہ کی غذائی حالت اور بھی خراب ہوگئی۔ آخر مکہ والے مجبور ہوگئے۔ ذلت کا احساس لیے ادب کے ساتھ مدینہ کو ایک وفد بھیجتے ہیں اور التجا کرتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم ہمیشہ نیکی، مہربانی اور محبت کی تعلیم دیتے رہے ہو۔ اب اپنے ہم شہریوں اور ہم وطنوں پر رحم کرو۔ ہم بھوک سے مرے جا رہے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فوراً ثمامہ بن اثال کو ایک خط بھجواتے ہیں کہ غلہ بھیجنے کی بندش اٹھالی جائے۔ اس کا مکہ والوں کے دل پر اثر ہونا چاہیے تھا اور یہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد تھا، کہ ان کو اسلام کی طرف مائل کریں۔ اس کے بعد صرف اس پر ہی اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ مدینہ سے پانچ سو اشرفیاں جو اس زمانے میں ایک بڑی رقم تھی مکہ کے فقراء غرباء کی امداد کے لیے بھیجتے ہیں۔ قحط کے زمانے میں ہر شے کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ غریب لوگوں کے بس میں نہیں ہوتا کہ کسی چیز کو خرید سکیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پانچ سو اشرفیاں مکہ کے سردار ابو سفیان کو بھیجتے ہیں کہ یہ غرباء کی امداد کے لیے بھیج رہا ہوں۔ وہ بھناتا ہے۔ اس کے الفاظ جو تاریخ میں مرقوم ہیں یہ ہیں" محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) چاہتا ہے کہ ہمارے نوجوانوں کو ورغلائے۔" بہرحال اس کو حالات اجازت نہیں دیتے کہ رقم کو واپس کرے۔ اس کے بعد اور بھی ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن کا مجموعی اثر مکہ والوں پر پڑا کہ وہ اسلام کے پیغمبر اور اسلام کو دشمن سمجھنے کی بجائے دل ہی دل میں اس پر فخر کرنے لگے کہ ان کے ہی شہر کا آدمی اب بادشاہ بن رہا ہے اور طاقت ور ہوتا جا رہا ہے مگر اس کے اظہار کی ان میں جرت نہیں تھی۔ اس طرح اب اگر مکہ والوں پر مسلمان حملہ کریں تو بھرپور مقابلے کا کوئی امکان نہ تھا۔ مکہ والے کیوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کریں، جب کہ وہ مصیبت کے وقت ان کی مدد کر رہا ہے؟ ان حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عادت کے برخلاف کہ جب کبھی کسی مقام پر جنگ کے لیے جاتے تو اسے مخفی رکھتے کہ دشمن کو پتہ نہ چلے، لیکن اب کھلم کھلا اعلان فرماتے ہیں اور اس کی اطلاع بھجواتے ہیں کہ میں مکہ جا رہا ہوں البتہ حج کو نہیں عمرے کے لیے کہ حج سے ایک مہینہ پہلے اشہر حرم میں وہاں جاؤں گا، تاکہ کوئی اور دشواریاں وہاں پیدا نہ ہوں۔ راستہ میں اطلاع ملی کہ قریش کا ایک حلیف قبیلہ احابیش جنگ کی

تیاری کر رہا ہے اور چاہتا ہے کہ مکے جا کر مکہ والوں کا ساتھ دے اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکے پر حملہ کریں تو وہ اپنے حلیفوں کی مدد کرے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فوجی مشاورتی مجلس طلب فرماتے ہیں کہ اس کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ ہم پہلے اس قبیلے پر حملہ کریں، اسے لوٹیں اور اسے شکست دے کر نیست و نابود کر دیں تاکہ دشمن اس کی مدد حاصل نہ کر سکے؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم حج کا اعلان کر چکے ہیں لہٰذا ہمیں چاہیے کہ جنگ نہ کریں۔ خدا ہماری مدد کرے گا۔ اس رائے کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرماتے ہیں اور مکہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ مکہ کی جغرافیائی صورتحال یہ ہے کہ جدہ سے تھوڑی دور تک کھلے میدان ہیں اس کے بعد آگے مکہ تک بلند پہاڑ، تنگ درے اور پہاڑوں کے درمیان راستے پائے جاتے ہیں۔ جس مقام پر اہم قدرتی دشواریاں شروع ہو رہی تھیں، اس مقام کا نام حدیبیہ ہے۔ اسے آج کل "شمیسی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مسلمان حدیبیہ پہنچتے ہیں۔ ایک چھوٹی سی چیز یاد آئی جو فوجی نقطہ نظر سے دلچسپ ہے۔ جب مدینہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نکلے تو عمرہ کرنے کا مقصد واضح تھا، سپاہیوں سے کہا کہ ساتھ ہتھیار نہ لیں سوائے اس ہتھیار کے جسے حالت امن میں ہر شخص اپنے ساتھ رکھتا ہے، یعنی ایک تلوار۔ وہ جنگ کے لیے نہیں ہوتی بلکہ وہ صرف حفاظتی تدبیر کے طور پر رکھی جاتی ہے۔ لیکن تھوڑی دور پہنچنے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ فرمایا کہ ہم دشمن کے ملک جا رہے ہیں۔ ہم جنگ کا آغاز نہیں کریں گے لیکن اگر دشمن آغاز کرے تو کیا ہو گا؟ آخر مشورے کے بعد طے پایا کہ مدینے سے فوجی ساز و سامان کا ذخیرہ منگوا لیا جائے جو بند فوج کے ہمراہ رہے۔ ضرورت پر اس سے کام لیا جائے گا۔ ورنہ وہ بند رہے گا۔ بہر حال حدیبیہ پہنچتے ہیں اور اپنا ایک سفیر مکہ بھیجتے ہیں تاکہ مکہ والوں کو اطمینان دلائے کہ ہم جنگ کرنے نہیں آئے بلکہ صرف عمرہ کے لیے، تمھاری عبادت گاہ کی زیارت کرنے کے لیے آئے ہیں۔ اس وقت تک کعبہ پر مسلمانوں کا قبضہ نہیں تھا۔ بلکہ بت پرستی کا مرکز تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مقصد کے لیے بھیجے گئے ایک چھوٹی سی چیز اور عرض کرتا چلوں اولاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجنا چاہا۔ جیسا کہ میں اس سے پہلے لیکچر میں کہا تھا کہ مکہ کی شہری مملکت کا دستور تھا کہ ہر کام کے لیے ایک وزیر یا عہدیدار تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ میں سفارت کے کام انجام دینے والے یعنی وزیرِ خارجہ تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ وزیرِ خارجہ کو بطور سفیر کے مکہ سے گفت و شنید کے لیے بھیجا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرتے ہیں کہ مکہ والے میری جان کے دشمن ہیں اور اس بات کا امکان موجود ہے کہ میرے جاتے ہی وہ مجھے جان سے مار دیں۔ میں جب سے مسلمان ہوا ہوں ان کا سب سے سخت دشمن رہا ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا جائے کیونکہ بنی امیہ کے لوگ اب تک مکہ میں ہی ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ بنی امیہ کے آدمی ہیں۔ غالباً ان کے ساتھ وہ نسبتاً نرم سلوک کریں گے۔ یہ رائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند آتی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجتے ہیں

لیکن انھیں وہیں قید کر دیا جاتا ہے۔ اور خبر پھیلتی ہے کہ انھیں قتل کر دیا گیا ہے۔ یہ اطلاع مسلمانوں کے کیمپ میں آتی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مجبور ہو کر جنگ کا انتظام فرماتے ہیں اور سارے مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ آئے تو ہم عمرہ کے لیے تھے، لیکن دشمن نے ہمارے سفیر کو قتل کر دیا ہے۔ اس کا انتقام لینے کے لیے ہمیں جنگ کرنی پڑے گی۔ لہٰذا بیعت کرو کہ جان نکلنے اور آخری قطرہ خون جسم میں رہنے تک ہم دشمن سے جنگ کریں گے۔ یہ "بیعت رضوان" ہے۔ جس درخت کے نیچے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب لوگوں سے بیعت لی تھی، وہ درخت اتنا مقدس ہو گیا کہ قرآن میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔ **اذیبا یعونک تحت الشجرہ۔۔۔**(18:48) یہاں ایک بات ضمناً عرض کرتا ہوں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں میں وہ درخت بے حد مقدس بن گیا۔ لوگ بیمار ہوتے تو اکثر وہاں جاتے، اس درخت کے سائے میں بیٹھے اور تندرست ہو جاتے، کم از کم مشہور یہی ہوا۔ نتیجہ یہ تھا کہ بے شمار لوگ تقریباً اس درخت کی پوجا کرنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ آتا ہے تو وہ درخت کٹوا کر غائب کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے۔ نہ کہ اس کی بنائی ہوئی مخلوق ،ایک درخت سے، چاہے وہ کتنا ہی مقدس کیوں نہ ہو۔ یہ تھی اسلامی توحید پرستی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار مبارکہ سے بھی اگر اسلام کے اس بنیادی عقیدے کی خلاف ورزی ہونے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے تو اسے دور کر دیا جاتا ہے۔ بہر حال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سارے مسلمانوں سے، جو فوج میں تھے بیعت لیتے ہیں کہ ہم دشمن سے جنگ کریں گے۔ اس کی اطلاع اہل مکہ کو ہوتی ہے تو وہ گھبراتے ہیں۔ پہلے ایک شخص کو بھیجتے ہیں جو مکہ کا نہیں تھا بلکہ اس قبیلے کا آدمی تھا جو کہ مکہ والوں کا حلیف تھا۔ وہ مکہ والوں کی طرف سے بطور سفیر کے مسلمانوں کے کیمپ میں آیا۔ ایک اجڈ بدوی ہونے کے باوجود وہ عقل مند تھا۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کے لوگوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو وہ جانور دکھاؤ جو ہم قربانی کے لیے ساتھ لائے ہیں تاکہ اسے یقین ہو جائے کہ ہم جنگ کے لیے نہیں آئے بلکہ ایک پر امن مقصد یعنی عمرہ ادا کرنے کے لیے آئے شاید آپ کو معلوم ہو گا اس زمانے میں قربانی کے جانوروں کو مختلف ذرائع سے نمایاں کیا جاتا تھا۔ مثلاً ان کے گلے میں جوتیوں وغیرہ کا ہار ڈالتے تھے۔ ان کے کانوں کو کچھ زخمی کر دیتے تھے۔ جس سے خون بہتا تھا۔ اس وقت تک یہ رواج مسلمانوں میں بھی تھا۔ ایسے جانور جب اس سفیر نے دیکھے تو بغیر کسی مزید گفتگو کے واپس جاتا ہے اور مکہ والوں سے کہتا ہے کہ مسلمانوں سے جنگ نہ کرو، ورنہ میں تمھیں چھوڑ کر چلا جاؤں گا، کیونکہ وہ صرف عمرہ کے لیے آئے ہیں۔ اس دھمکی کا بھی اثر پڑا۔ بلآخر مکہ والے ایک اور شخص کو روانہ کرتے ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا برادر نسبتی ہے۔ یہ سہیل بن عمرو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا چچازاد بھائی تھا، وہ ایک عقل مند اور سنجیدہ شخص تھا، وہ گفت و شنید کرتا ہے۔ بلآخر صلح کی شرطیں طے ہو جاتی ہیں۔ وہ شرطیں مسلمانوں کے بظاہر خلاف تھیں مثلاً یہ کہا گیا تھا کہ آئندہ دس سال تک صلح کی حالت رہے گی۔ لیکن اس اثناء میں اگر کوئی

مدینے کا مسلمان اپنا شہر چھوڑ کر مکہ واپس آئے تو ہم اسے واپس نہیں کریں گے۔اس کے بر خلاف اگر کوئی مکی شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائے اور ہم مطالبہ کریں تو مسلمانوں کو چاہیے کہ اسے واپس کریں۔اس طرح کی کچھ شرائط تھیں جو بظاہر مسلمانوں کے لیے توہین آمیز اور انکی کمزوری دکھانے والی تھیں۔اس کے باوجود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانے میں فرمایا تھا کہ میں اس وقت صلح کی غرض سے آیا ہوں،اس لیے مکہ والے مجھ سے جو بھی مانگیں گے وہ دینے کے لیے تیار ہوں۔ ہمارے مشہور فقیہ شمس الائمہ سرخسی اپنی دو کتابوں میں ایک اہم چیز کا ذکر کرتے ہیں جو میں نے سیرت النبیؐ کی کتابوں میں بھی نہیں پڑھی تھی،وہ لکھتے ہیں کہ جغرافیہ پر نظر ڈالو خیبر مدینے کے شمال میں ہے،مکہ مدینے کے جنوب میں،مدینہ دو دشمنوں کے درمیان میں ہے۔ خیبر سے بھی مسلمانوں کی جنگ ہے۔مکہ سے بھی مسلمانوں کی جنگ ہے اور خیبر وہ مکہ میں معاہدہ ہے کہ اگر مسلمان ایک فریق کی طرف بڑھیں تو دوسرا فریق مدینہ پر حملہ کرے۔اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کو جاتے ہیں تو اہل مکہ مدینے پر چڑھ دوڑیں اور اسے لوٹ لیں گے۔اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ مکہ کی طرف جاتے ہیں تو خیبر والے مدینہ کو کھلا پا کر اس پر حملہ کریں گے،ان حالات میں ایک ذہین سیاستدان اور ایک صاحبِ فراست کمانڈر کی حیثیت سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طے فرمایا کہ دونوں میں سے ایک فریق سے صلح کر لی جائے اور اس کو اپنے ساتھی سے الگ کر لیا جائے۔جب ایک فریق تنہا ہو جائے گا تو زیادہ آسانی سے ہم اس سے نپٹ سکیں گے،ان حالات میں آپ یہ طے کر کے تشریف لاتے ہیں کہ فریقِ مخالف جو شرائط بھی کہتا ہے ہم منظور کریں گے۔ یہاں انتخاب کا سوال ہے۔کیا خیبر والوں سے صلح یا مکہ والوں سے ؟ خیبر والوں سے صلح کا کوئی امکان نہیں تھا۔ بنی النضیر کے یہودیوں کو مدینے سے نکالا گیا تھا۔ ان کی اولین شرط یہ ہوتی کہ انھیں واپس مدینے آنے دیا جائے۔وہ مالدار تھے۔انھیں کچھ رقم پیش کی جاتی تو ان کے لیے اس میں کوئی کشش نہیں تھی۔اس کے بر خلاف مکہ والے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کے قریبی رشتہ دار تھے۔کوئی کسی کا بھائی کوئی بھتیجا،کوئی چچا،غرض یہ کہ سب انکے رشتہ دار تھے۔لہٰذا ان رشتہ داروں کو بچانا زیادہ مناسب تھا،بہ نسبت اس کے کہ یہود کو بچا کر مکہ والوں پر حملہ کریں اور انھیں ختم کریں۔ علاوہ ازیں مکہ والے پہلے کی تین جنگوں بدر،احد،اور خندق میں شکست کھا کر مجبور ہو چکے تھے۔ان کی مالی حالت خراب ہو چکی تھی۔ تجارت کی کساد بازاری تھی۔ لہٰذا وہ زیادہ آسانی کے ساتھ مسلمانوں سے صلح کرنے پر آمادہ ہو سکتے تھے۔میں انکی تفصیلات میں نہیں جاؤں گا۔ بہر حال مختلف وجوہ سے مکہ والے مسلمانوں سے صلح کرنے کے لیے دل سے آمادہ تھے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بھی کوشش رہی تھی کہ قحط کے زمانے میں مکہ والوں کا دل موہ لیا جائے۔ان سب وجوہ سے انھوں نے ایک شرط تو اپنی بڑائی دکھانے کے لیے لگائی تھی تاکہ دنیا سے کہہ سکیں کہ ہم نے دب کر صلح نہیں کی،باقی سب شرطیں قبول کر لیں۔ ان شرائط کا مطالعہ کریں تو ان میں ایک شرط نظر آتی ہے جو آدھی سطر میں **لا اسلال و لا اغلال** اس کے کیا معنی ہیں۔لفظی معنی یہ

ہیں کہ نہ ہتھیار کو اس کے میان سے نکالا جائے گا، نہ دھوکے بازی کی جائے گی۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اہل مکہ اور مسلمان اب وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے حملہ اور جنگ نہیں کریں گے اور چھپ کر بھی دغابازی سے اس معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ دوسرے الفاظ میں مکہ والوں کا یہ وعدہ تھا کہ اگر مسلمان کی جنگ کسی تیسرے فریق سے ہو تو وہ غیر جانبدار رہیں گے۔ مسلمانوں کے خلاف غداری اور دغابازی نہیں کریں گے۔ اپنی اس واحد شرط پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کی ساری شرائط کو قبول کرتے ہیں۔ یہ بھی کہ دس سال تک ان میں صلح رہے گی، یہ بھی کہ مکہ کے تجارتی قافلے مدینے سے گزر سکیں گے۔ ان کی ساری شرائط قبول کی جاتی ہیں، صرف اس شرط پر کہ وہ آئندہ مسلمانوں کی جنگ میں غیر جانبدار رہیں گے۔ یہ شرطیں طے ہو گئیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے مکہ جانے کے دل شکستہ مسلمانوں کو حکم دیا کہ ہم حدیبیہ میں ہی اپنا عمرہ کرلیں۔ وہ روئے دھوئے مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا۔ بہر حال وہ اس کو انجام دیتے ہیں اور پھر مدینہ واپس ہو جاتے ہیں۔ مدینہ پہنچنے کے دو ہفتے بعد خیبر پر حملہ کیا جاتا ہے اور خیبر پر قبضہ کر لیا جاتا ہے۔ گویا دو دشمنوں میں سے ایک مغلوب ہو جاتا ہے۔ فتح خیبر کے سلسلے میں وقت کی کمی کی وجہ سے زیادہ تفصیلات نہیں بتا سکوں گا۔ صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کی فوج میں چودہ سو سپاہی تھے اور ہمارے مؤرخوں کے بیان کے مطابق خیبر میں بیس ہزار سپاہی موجود تھے۔ چودہ سو نے بیس ہزار سے مقابلہ کیا اور ان کے علاقے پر چار دن میں قبضہ کرلیا۔ اس طرح اس خطرے کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔ مکہ والوں سے حدیبیہ میں یہ معاہدہ ہوا تھا کہ ان دو فریقوں کے علاوہ جو قبیلہ چاہے معاہدے میں ذیلی طور پر شریک ہو سکتا ہے۔ چنانچہ جس احابیش نامی قبیلے کا ابھی تھوڑی دیر پہلے ذکر کیا گیا وہ مکہ والوں کا حلیف تھا۔ اس نے کہا کہ ہم مکہ والوں کی طرف سے انہی شرائط پر اس معاہدے میں شریک ہوتے ہیں۔ ایک اور قبیلہ خزاعہ تھا، اس نے کہا ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس معاہدہ صلح میں شریک ہوتے ہیں۔ ان دونوں قبیلوں کی آپس میں لڑائی تھی۔ شروع میں کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔ لیکن ایک دن کہتے ہیں کہ قبیلہ خزاعہ اور احابیش یعنی بنو کنانہ میں ایک بات پر جھگڑا ہو گیا۔ کسی شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی، اس قبیلہ خزاء کے لوگ برداشت نہ کر سکے اور اس شخص کو قتل کر دیا۔ اس قتل کے جواب میں ان لوگوں پر حملہ کیا گیا اور ان کے دو چار آدمی قتل ہو گئے۔ یہ واقعہ مقامی واقعہ بن کر رہ جاتا، اگر ایک دوسرا واقعہ پیش نہ آتا، مکہ والوں کو اطلاع ملی کہ بنو کنانہ جو انکے حلیف ہیں، ان میں اور خزاعہ میں، جو مسلمانوں کے حلیف ہیں جنگ چھڑ گئی ہے، تو وہ چھپ کر، بھیس بدل کر اور نقاب ڈال کر آتے ہیں۔ اور خزاعہ والوں پر حملہ کرکے قتل و غارت گری کرتے ہیں۔ اس کی جو اطلاع خزاعہ والے مدینہ پہنچاتے ہیں اس کا ایک لفظ دلچسپ ہے کہ "جس وقت ہم سجدہ اور رکوع کی حالت میں تھے ان لوگوں نے ہم پر حملہ کیا۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خزاعہ میں بہت سارے مسلمان تھے۔ مسلمانوں کا ہاتھ کھل گیا تھا۔ اب وہ مکہ والوں پر حملہ کر سکتے تھے۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہیں چاہتے

سطح مرتفع لابہ
وادی خیبر
قصر مرحب
جدید شہر
باغات اور بے شمار نخلستان
سطح مرتفع لابہ
نقشہ خیبر

تھے کہ پھر جنگ کریں۔ خزاعہ کے وفد سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ دیکھو یہ سامنے بادل جارہا ہے اس کی گڑگڑاہٹ تم نے ابھی سنی وہ تمھاری فتح کی خبر سنارہا ہے۔ ایک بہت ہی خاص انداز میں ان کی دل جوئی بھی کرتے ہیں کہ تمھیں فتح ہو گی اور کوئی چیز نہیں بتاتے کہ کیا ہو گا۔ وفد خوش اور مطمئن ہو کر واپس جاتا ہے۔ وہ توقع کرتے ہیں کہ جلدی ہی مسلمان مکہ والوں پر حملہ کریں گے۔ مدینہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سارے مقامات پر جو گویا شہر کے دروازے تھے۔ جہاں سے لوگ گزرتے تھے وہاں ناکہ بندی کے لیے چوکیاں قائم کرتے ہیں تاکہ کوئی شخص باہر کا نہ اندر آئے اور نہ اندر کا باہر جائے۔ ورنہ ان سے یہ خطرہ ہو سکتا تھا کہ مدینہ کی تیاریوں کی اطلاع مکہ والوں تک نہ پہنچادیں۔ دوسری چیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں یہ کی کہ لوگوں سے کہا کہ ایک بڑی مہم درپیش ہے۔ اس کے لیے تیاریاں کرو۔ کسی کو نہیں پتا کہ کہاں کا ارادہ تھا۔ اس رازداری کی حد یہ ہے کہ ایک دن حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آتے ہیں اور اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ سے پوچھتے ہیں کہ بیٹی، تیاری تو بڑی جنگ کی ہو رہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں جانے والے ہیں؟ وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں۔ کہتی ہیں، اباجان مجھے معلوم نہیں۔ ممکن ہے شام کو جارہے ہوں۔ ممکن ہے کہیں اور جارہے ہوں، کچھ معلوم نہیں مگر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اعتماد تھا۔ اتنے میں آپ تشریف لاتے ہیں اور گفتگو کے الفاظ سن کر کہتے ہیں مکہ جانا چاہتا ہوں۔ لیکن اسے راز میں رکھنا۔ اس کے بعد ایک تدبیر اختیار کرتے ہیں، جس کے بارے میں فوجی ماہرین ہی بتائیں گے کہ وہ کتنی مؤثر اور کتنی اہم تدبیر تھی۔

مسلمانوں کے بہت سے حلیف تھے۔ جنگ کے موقع پر ہر حلیف ایک جماعت جو رضاکاروں پر مشتمل ہوتی تھی، بھیجتا تھا۔ عام طور پر وہ لوگ مدینہ آتے اور مدینے سے ساری اسلامی فوج، مدینے کے سپاہی بھی اور باہر سے آئے ہوئے قبائل کے سپاہی بھی، منزلِ مقصود کو روانہ ہوتے تھے۔ اس دفعہ یہ نہیں کیا گیا۔ رازداری سے حلیف قبائل کو ایک اطلاع بھیجی گئی کہ تمھارا سردار مدینے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ وہ لوگ آتے ہیں۔ ہر ایک سے فرداً فرداً علیحدہ رازداری سے یہ کہا جاتا ہے کہ ایک بڑی مہم درپیش ہے انہیں یہ نہیں بتاتے کہ کہاں کے کہاں کے لیے تیار ہونا ہے۔ بس اس طرح تیار رہنے کا حکم دیتے ہیں کہ ایک منٹ کے نوٹس پر تم ہمارے ساتھ چل پڑو۔ مدینہ نہ آنا۔ ہم تمھارے علاقے سے گزریں گے تو تمھاری فوج کو اپنے ساتھ لے لیں گے۔

بہت سے لوگ تیار ہوئے تھے مگر کسی کو کچھ پتہ نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہاں جارہے ہیں۔ ایک بہت بڑے صحابی شاید حذیفہ بن یمان ہیں۔ ان کی حدیث بخاری میں ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے سے نکلتے ہیں۔ تو مکہ جو جنوب

میں ہے۔ اس طرف نہیں جاتے بلکہ شمال کی طرف جاتے ہیں۔ گمان ہوتا ہے کہ شاید بیز نطینوں سے جنگ کرنے کے لیے جا رہے ہیں۔ وہاں کے قبیلے کے لوگوں کو لے کر شمال مشرق کو جاتے ہیں۔ پھر جنوب مشرق کو۔ اس طرح zig zag رخ بدل بدل کر سفر کرتے ہیں کہ کسی کو پتہ نہیں چلتا کہ کہاں جا رہے ہیں۔ وہ صحابی کہتے ہیں کہ مکہ کی پہاڑیوں کے دامن میں جو آخری قیام تھا وہاں پہنچنے تک ہمیں معلوم نہیں تھا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔

مسلمانوں کی دس ہزار فوج اس زمانے کے لحاظ سے ایک عظیم الشان تعداد تھی جو چھپ کر نہیں رہ سکتی تھی۔ لیکن اس کی اطلاع مکہ والوں کو نہیں ہوتی۔ جب عام طور پر مسلمان سفر کرتے تو کئی کئی سپاہی مشترکہ طور پر پکوان کرتے۔ مگر اس دن حکم دیا جاتا ہے کہ مشترکہ چولہے نہ جلائیں۔ چار چار پانچ پانچ سپاہی مل کر غذا تیار کرنے کی بجائے ہر شخص الگ الگ آگ جلائے۔ اس طرح دس ہزار فوج میں دو ہزار چولھے کی بجائے دس ہزار چولھے جلتے ہیں۔ ابو سفیان مکہ کا سردار ہے۔ وہ توقع کر رہا ہے کہ مسلمان حملہ کریں گے۔ اس کے دل میں چور ہے کیونکہ وہ عہد شکنی کر چکا ہے۔ وہ روزانہ رات کو شہر مکہ کی پہاڑی پر چڑھ کر ادھر اُدھر نگاہ ڈالتا ہے کہ دشمن اگر آ رہا ہو تو دور ہی سے اس کی اطلاع ہو جائے۔ اس نے دیکھا کہ دس ہزار چولھے جل رہے ہیں یعنی لگ بھگ پچاس ہزار فوج آئی ہوئی ہے۔ وہ پہاڑی سے کیمپ کی طرف اترتا ہے۔ چوری سے آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھتا ہے، تاکہ اتفاقاً کوئی شخص مل جائے تو پتہ چلے کہ یہ کون ہیں؟ مسلمانوں کی فوج کا قاعدہ تھا کہ قیام کرنے کے بعد کچھ سپاہی گشت کرتے تھے کہ اگر کوئی دشمن چھپ کر حملہ کر رہا ہو تو اس کا سدباب کیا جا سکے۔ ایسے ایک دستے کے ہاتھ ابوسفیان گرفتار ہوتا ہے وہ شہر مکہ کا بادشاہ اور سپہ سالار ہے۔ مکہ والوں کو کوئی اطلاع نہیں ہے کہ دشمن آیا ہے۔ اسے گرفتار کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لاتے ہیں۔ تفصیلات میں گئے بغیر میں یہ کہوں گا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ اس کو بہت اچھے برتاؤ کے ساتھ اپنے پاس رکھو۔ لیکن جانے نہ دو۔ بلکہ اس کی حفاظت کرو۔ صبح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے ہیں کہ فوج شہر میں داخل ہو جائے۔ آپ خیال فرمائیں کہ شہر مکہ کو مسلمانوں کے حملے کی اطلاع نہیں، شہر مکہ کا سردار بھی موجود نہیں۔ سردار اگر ہوتا تو وہی حکم دے سکتا کہ مکہ والے فوری طور پر کیا انتظامات کریں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فوج کے ایک سپاہی کو حکم دیتے ہیں کہ ابوسفیان کو فلاں مقام پر اپنے سامنے لیے کھڑے رہو، تاکہ وہ دیکھے کہ مسلمانوں کی فوج کتنی بڑی ہے۔ دس ہزار کی فوج گزرتی ہے۔ ہر گروہ کے گزرنے پر اسے بتایا جاتا ہے کہ یہ فلاں قبیلہ ہے۔ بلاخر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی سواری وہاں پہنچتی ہے۔ اسے بتایا جاتا ہے، اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ اسے کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ وہ کہتا ہے، تیرا بھتیجا تو واقعی بادشاہ بن گیا۔ اس کی اتنی بڑی قوت ہے کہ قیصر روم بھی اس سے ڈرنے لگا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب

گزرتے ہیں تو حکم دیتے ہیں کہ ابو سفیان کو چھوڑ دو۔ یہ بھی ایک عجیب و غریب بات تھی۔ ابو سفیان ان حالات میں فیصلہ کرتا ہے کہ جنگ بے کار ہے کیونکہ مسلمانوں کی فوج شہر میں داخل ہو چکی ہے۔ اگر میں حکم بھی دوں کہ مسلمانوں سے جنگ کی جائے تو اس کا نتیجہ نہیں نکلے گا اور پھر جو فوج شہر میں داخل ہو رہی تھی اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر چلا چلا کر گلی گلی میں یہ کہنا شروع کیا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے وہ امن میں رہے گا۔ جو اپنے گھر کے اندر رہے، گلیوں میں نہ آئے، امن میں رہے گا۔ جو شخص خانہ کعبہ کے صحن میں چال جائے گا۔ وہ امن میں رہے گا، اور جو شخص ابو سفیان کے گھر میں چلا جائے گا۔ وہ امن میں رہے گا۔ اس سے لوگوں کو خیال ہوا ہو گا کہ شاید ابو سفیان بھی مسلمان ہو گیا ہے۔ ان حالات میں ابو سفیان اپنے گھر میں آتا ہے۔ اس کی بیوی جو ارت بھر سے انتظار میں رہی تھی، اس کو وہ بتاتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دس ہزار فوج کے ساتھ آیا ہے، ہم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وہ اس کی داڑھی پکڑ کر طمانچہ مارتی ہے کہ یہ تیری بزدلی ہے۔ کچھ اس طرح کے واقعات وہاں پیش آئے۔ شہر میں داخلے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کو ڈھنڈورا پیٹنے کے لیے بھیجتے ہیں، وہ اعلان کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم تم لوگوں سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ مکہ والوں کو چاہیے کہ خانہ کعبہ کے صحن کے اندر جمع ہو جائیں۔ لوگ آئے۔ دلوں میں دہشت تھی کہ معلوم نہیں کیا ہونے والا ہے۔ غالباً ظہر کی نماز کا وقت تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال کو حکم دیتے ہیں کہ اذان دو۔ اس دن وہ خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان شروع کرتے ہیں اور کڑک کر اشھد ان محمداً رسول اللہ کا نعرہ لگاتے ہیں۔ حاضرین میں بہت سے مکہ کے غیر مسلم مشرکین موجود ہیں۔ ایک شخص جس کا نام عتاب بن اسید ہے اور جو بڑا سخت اسلام دشمن ہے وہاں موجود ہے۔ یہ آواز سن کر اپنے دوست سے جو پاس بیٹھا ہوا ہے ہے کانا پھوسی کر کے کہتا ہے۔ "شکر ہے کہ میرا باپ مر چکا ہے ورنہ وہ برداشت نہیں کر سکتا کہ ایک کالا گدھا خانہ کعبہ پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کے گھر پر ینگے۔" اذان کے بعد نماز ہوتی ہے۔ نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ والوں سے مخاطب ہو کر پوچھتے ہیں کہ تم مجھ سے کیا توقع کرتے ہو؟ انھیں بیس سالہ ظلم، فتنہ انگیزی اور فساد یاد آتے ہیں اور وہ شرم سے سر جھکا لیتے ہیں اور سوائے اس کے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ آپ شریف ہیں، شریف زادہ ہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کو تاریخِ عالم میں لافانی و لاثانی کہنا چاہیے، ان کی طرف مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔ "تم پر اب کوئی مواخذہ کوئی ذمہ داری نہیں، جاؤ تم سب کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔" قبل اس کے کہ میں آگے بڑھوں اس کے فوری اثرات بتا دوں۔ ایک چھوٹی سی چیز کی طرف اشارہ کرتا ہوں اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو حکم دے سکتے تھے کہ سارے مکہ والوں کا قتلِ عام کیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کے وسائل موجود تھے۔ شہر پر قبضہ ہو چکا تھا۔ فوج موجود تھی۔ اس حکم کی فوراً تعمیل کی جا سکتی تھی اور یہ لوگ اس کے مستحق بھی تھے۔ یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بجا طور پر کر سکتے تھے کہ سب کو غلام بنا لینے کا حکم دیتے یا کم از کم یہ حکم دیتے کہ ان کا سارا مال لوٹ لیا جائے۔ کہا تو یہ کہا کہ

جاؤ! تم پر کوئی ذمہ داری نہیں، تم سب آزاد ہو۔ عتاب بن اسید ابھی دو منٹ پہلے کہہ رہا تھا کہ کالا گدھا خانہ کعبہ پر بینگ رہا ہے وہ خود کو تحمل کرنے کے قابل نہیں پاتا یکایک اچھل پڑتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ و علیہ وسلم کے سامنے آکر کہتا ہے۔ میں عتاب بن اسید ہوں۔۔اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمداً رسول الله عتاب کے اسلام کو سنتے ہی رسول اکرم نے فرمایا، اے عتاب میں تمھیں مکہ کا گورنر مقرر کرتا ہوں۔ ایک منٹ پہلے کے جانی دشمن کو مختار کل گورنر بناتے ہیں اور نو مفتوحہ مکہ میں ایک مدنی سپاہی چھوڑے بغیر رسول اللہ صلی علیہ وسلم مدینہ واپس ہو جاتے ہیں اور اس پر پچھتانا نہیں پڑتا۔ یہ واحد مثال نہیں تھی۔ راتوں رات شہر مکہ کی کایاپلٹ جاتی ہے اور سارا مکہ مسلمان ہو جاتا ہے، اور مسلمان بھی ایسا راسخ العقیدہ کہ دو سال بعد جب ملک کے بعض قبائل میں ارتداد کی کیفیت ہوئی تو سب سے مستحکم ایمان رکھنے والے لوگوں میں مکے والے بھی تھے۔

ایک چھوٹی سی چیز پر اس قصہ کو ختم کرتا ہوں اور وہ مکہ کی فتح کے بعد ابو سفیان کی بیوی کا ایمان لانا ہے۔ اس کا نام ہند تھا۔ ہند وہ عورت تھی جس کا بیٹا، بھائی اور چچا جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے چنانچہ جنگ احد میں اس نے اپنے انتقام کی آگ بجھانے کے لیے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پیٹ چیر کر، کلیجہ نکال کر چبایا تھا۔ جب مسلمانوں کا مکہ پر قبضہ ہو گیا تو اس کے گھر میں ایک عجیب سین نظر آتا ہے۔ وہ ایک لٹھ لے کر گھر میں جو مختلف بت تھے ان کو مار مار کر پاش پاش کرنے لگتی ہے۔ اور کہنے لگی کہ اب تک تم ہمیں دھوکہ دیتے رہے، اب معلوم ہوا کہ تمھارے پاس کوئی قوت نہیں۔ چنانچہ سارے بت اس نے توڑ دیے۔ اس کے بعد اسے خوف تھا کہ شاید حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش کی بے حرمتی کرنے کی وجہ سے جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھیں گے تو مجھے سزا دیں گے۔ اس لیے چہرے پر نقاب ڈال کر، چھپ کر، عورتوں کے ایک گروہ کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پہنچتی ہے اور وہاں اپنے اسلام لانے کا اعلان کرتی ہے جس طرح اور عورتیں کر رہی تھیں، عورتوں سے اجتماعی طور پر جو بیعت کی گئی اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ وعدہ کرو کہ تم ایک اللہ کو مانو گی، بت پرستی اور شرک نہیں کرو گی۔ ہند نے با آوازِ بلند کہا ہم اب تک دھوکے میں تھے۔ اب ہمیں یقین ہو چکا ہے کہ ان بتوں میں کوئی طاقت و قوت نہیں ہے۔ ہم ایک اللہ کو مانتے ہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ عورتوں کو چاہیے کہ بدکاری نہ کریں۔ وہ بڑے فخر و غرور کے ساتھ کہتی ہیں کہ کیا کوئی شریف عورت ایسا بھی کر سکتی ہیں؟ اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان عورتوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تم آئندہ اپنے نوزائیدہ بچوں کو زندہ دفن کر کے قتل نہ کرو گی۔ اس وقت ہند کے منہ سے جو الفاظ نکلے وہ دلچسپ ہیں۔ اس نے کہا "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جن بچوں کو ہم نے پرورش کر کے بڑھایا جوان کیا آپ ہی نے ان کو قتل کر دیا۔" رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہیں۔ پوچھتے ہیں کون عورت ہے؟ کہا جاتا ہے کہ

ہند ہے۔ اس طرح یہ سین ختم ہو جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسانی نفسیات کو سمجھ کر صحیح وقت پر ضرب لگانے میں جو فائدہ ہے، وہ بے وقت نرمی یا سختی دکھانے سے حاصل نہیں ہوتا۔ یہ وہ حالات تھے جن میں شہر مکہ کی فتح عمل میں آئی اور ہم نے دیکھا کہ فوج کو دشمن کے ملک کی طرف اس طرح بڑھایا گیا کہ اس کی خبر دشمن کو آخری لمحہ تک نہ ہو سکی اور ایک بڑے شہر پر اس طرح قبضہ کیا کہ ایک قطرہ خون بھی نہ بہا۔

ایک اور پہلو پر مجھے کچھ روشنی ڈالنی چاہیے۔ فوجی تیاریوں کے سلسلے میں کیا انتظامات ہوتے ہیں۔ کس طرح سے مختلف کام انجام پاتے ہیں؟ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر جنگ میں نرسنگ کے لیے، کھانا پکانے کے لیے، قبریں کھود کر مردوں کو دفن کرنے کے لیے، غرض ایسے بہت سے کاموں کے لیے ابتدا ہی سے مسلمانوں کی فوج میں عورتیں ہی ہوتی ہیں۔ بعض اوقات نو عمر لڑکیاں اور نابالغ لڑکیاں بھی اس میں حصہ لیتی ہیں۔ تفصیلات کا وقت نہیں۔ دو ایک چیزیں آپ سے بیان کروں گا، وہ یہ کہ مسلمانوں کی ایک مستقل فوج (standing Army) رکھنے کا شروع میں کوئی خیال نہیں تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جہاد کرنا مسلمانوں کا فریضہ ہے۔ جس طرح نماز پڑھنا ایک فریضہ ہے، اسی طرح جنگ میں حصہ لینا مسلمانوں کا پاک فریضہ ہے۔ جو لوگ مسلمان تھے وہ اس پر ایمان رکھتے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ سارا ملک اور ملک کے سارے بالغ مرد Potential Army تھے۔ جس وقت، جتنے آدمیوں کی ضرورت ہو، ان میں سے لے لیتے۔ اس طرح مسلمانوں کو مستقل فوج تیار کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ بہر حال لوگوں کو فوجی تربیت کے لیے مختلف انتظامات کیے جاتے تھے۔ تفصیلات میں جا نہیں سکتا۔ صرف یہ عرض کروں گا کہ فوج کو حالتِ امن میں جنگی کاموں کے لیے تیار کیا جاتا۔ گھڑ دوڑائی کرائی جاتی، اونٹوں کی دوڑ ہوتی تھی، گدھوں کی دوڑ ہوتی تھی، آدمیوں کی دوڑ ہوتی تھی، کشتیوں کے مقابلے کرائے جاتے تھے۔ اسی طرح تیر اندازی کی بہت ترغیب دی جاتی تھی۔ اس پر انعامات دیے جاتے تھے۔ گھڑ دوڑ میں جیتنے والوں کو انعام دیا جاتا۔ غرض فوج حالت امن میں بھی تن دھن قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتی تھی۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ مسلمانوں کی فوجی تیاریاں ان کے جذبہ ایمانی پر مبنی تھیں۔ اس لیے مٹھی بھر آدمی ہمیشہ تگنے، چوگنے، دس گنے دشمن سے بھی مقابلہ کرتے تھے اور کبھی یہ نہیں سوچتے تھے کہ دشمن کی اتنی تعداد ہے، ہم کیا کریں گے۔ وہ جان پر کھیل جاتے تھے اور خدا انھیں فتح دیتا تھا۔

ایک آخری چیز پر اسے ختم کرتا ہوں جو میرے ذہن میں آئی ہے۔ جنگ کے دوران سپہ سالار کو مختلف صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک چھوٹا سا واقعہ لکھا ہے۔ جب کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مقام پر حملہ کرتے اور علی الصبح طلوع آفتاب کے وقت جنگ کا آغاز ہوتا تو اس کا ہمیشہ لحاظ رکھتے کہ آفتاب ہماری آنکھوں کے سامنے نہ ہو۔ دشمن تمازت آفتاب

سے متاثر ہو اور آفتاب ہمارے پیچھے ہو تاکہ جنگ کے وقت آفتاب کی روشنی سے چندھیا کر دشمن سے مقابلہ کرنے میں دشواری پیش نہ آئے۔ایک دوسری چیز یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو موسمیات(Meteorology)سے بھی دلچسپی تھی۔ہواؤں کے رخ کا خاص لحاظ فرماتے تھے کہ دشمن سے جنگ ہو تو ایسے مقام پر ہو کہ ہمارے پیچھے سے چل رہی ہو،نہ کہ ہمارے سامنے سے آئے اور ہماری رفتار میں رکاوٹ پیدا کرے۔اس طرح کی بے شمار چیزیں حدیث و سیرت کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ حدیث جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **انا نبی الرحمتہ وانا نبی الملحمتہ** یعنی میں رحمت کا بھی نبی ہوں اور جنگ کا بھی نبی ہوں۔ جس کا بعد میں دنیا کے بہترین سپہ سالار کی حیثیت سے مظاہرہ بھی ہوتا ہے اور اس طرح بہترین سیاستداں اور بہترین مدبر کی حیثیت سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے آتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقصد کا حصول چاہتے تھے۔ آدمی کا خون بہانا یا دشمن کا خاتمہ کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر نہیں تھا۔السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

برادران کرام، خواہران محترم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کچھ سوالات جو آپ کی طرف سے آئے ہیں، ان کے جوابات دینے کی کوشش کرتا ہوں۔

سوال 1: موجودہ دور کے ترقی پسند مسلمانوں کے نقطہ نظر سے جس موسیقی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، کیا یہ موسیقی اسلام میں جائز ہے؟

جواب: میں سمجھتا ہوں کہ میں نے اُس لیکچر میں وضاحت کر دی تھی کہ جس موسیقی سے فحش کاری کی طرف میلان نہیں ہوتا، جس موسیقی سے ہمارے مذہبی فرائض میں خلل پیدا نہیں ہوتا، اس سے منع نہیں کیا جائے گا۔ موسیقی بطور موسیقی کے ایک علم ہے، اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس کی جنگ میں بھی ضرورت پیش آتی ہے۔ ان حالتوں میں اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

سوال 2: محقق اور مفتی کا کیا مقام ہے؟

جواب: معلوم نہیں آپ کا کیا منشا ہے؟ محقق کے معنی ہیں جو شخص علمی تحقیق کرے اور مختلف مقاموں پر تلاش کر کے معلومات جمع کرے۔ مفتی کے معنی ہیں کسی سائل کو یہ بتائے کہ اس کے دریافت کردہ امر میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ ایسا شرعی حکم معلوم کرنا بھی بعض وقت تلاش کا محتاج ہوتا ہے، چنانچہ اگر قرآن و حدیث میں وضاحت نہ ہو تو پرانے ائمہ کی آرائی میں دیکھنا ہوتا ہے، اور بدرجہ اخیر خود یہ مفتی قیاس اور اجتہاد سے استنباط کرتا ہے۔ اگر آپ مفتی سے پوچھیں کہ اسلام میں بادشاہت اور جمہوریت کا کیا حکم ہے تو دیکھے گا کہ دونوں جائز ہیں بشرطیکہ شرعی قانون کا نفاذ ہو لیکن اگر آپ پوچھیں کہ ان میں سے کونسا طرزِ حکومت بہتر ہے تو وہ کوئی شرعی حکم بتا نہ سکے گا اور جو بھی بیان کرے گا وہ اس کی انفرادی رائے ہوگی اور ملک کے ارباب حل و عقد اس کے پابند نہ ہوں گے۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ کیا دریافت کر رہے ہیں وہ واضح نہیں ہے کہ مطلوبہ جواب دے سکوں۔

سوال 3: "**مارمیت اذرمیت**" کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے موقع پر کفار کی طرف مٹی کی مٹھی پھینکی تھی؟

جواب: جہاں تک مجھے یاد ہے یہ واقعہ جنگ بدر میں پیش آیا تھا۔

سوال 4: آپ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی لڑائی میں ایک پہاڑی پر جھونپڑی قائم کی اور دو تیز رفتار اونٹنیاں رکھی تھیں تاکہ شکست کی صورت میں مدینہ بھاگ جائیں۔

جواب: یہ لفظ میں نے استعمال نہیں کیا تھا۔ بہر حال لکھا ہے کہ صحابہ نے عرض کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سپہ سالار کی حیثیت سے اپنی جان بچانے کی ضرورت ہے۔ باقی غزوات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا اقدام کبھی نہیں کیا۔ یہ بات کہ اگر شکست ہو بھی جاتی تو اس صورت میں زخمی صحابہ کو چھوڑ کر مدینہ کیوں بھاگ جاتے؟ اس کا جواب میں نے شروع میں ہی دیا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اسوہ حسنہ قائم کرنا تھا۔ اور یہ بتانا چاہتے تھے کہ بعد میں آنے والے بادشاہ اور کمانڈر کس طرح اپنے متعلق انتظامات کریں۔ اگر فوج میں موجود بادشاہ یا کمانڈر انچیف مر جائے تو صرف فوج کے باقی رہنے سے ہمارا کام نہیں بنے گا۔ اس لیے اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ بادشاہ اور کمانڈر کی جان بچائی جائے۔ غرض یہ کہ یہ انتظام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے مشورے سے کیا تھا۔ اس کا منشا یہ دکھانا تھا کہ آئندہ مسلمان حکمراں کس طرح اس صورتحال میں کام انجام دیں۔ یہ سوال کہ بعد کے غزوات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا اقدام کیوں نہیں کیا تو میں سمجھتا ہوں کہ جس مقام پر جنگ ہوئی اس کے لحاظ سے ایسا کیا گیا۔ لیکن جب مسلمان مکہ جاتے ہیں تو جیسا کہ ابھی آپ نے دیکھا کہ بغیر لڑائی کے قبضہ ہو گیا۔ ان حالات میں وہاں جھونپڑی بنا کر دور سے دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ غرض یہ ایک ٹیکنکل چیز تھی کہ کس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح اپنا کام سرانجام دیا۔ اس پر میں اسے ختم کرتا ہوں۔

آپ کا شکریہ۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔